معارف کا زر تعاون

هندوستان میں سالانہ اسی روپیے فی شمارہ سات روپیے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ : حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس. ایم. کالج. اسٹریچن روڈ. کراچی

• سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں. بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں :

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

• رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے. اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا.

• خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں.

• معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی.

کمیشن ۲۵٪ ہوگا. رقم پیشگی آنی چاہیے.

جلد ۱۶۳ ماہ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۹۹ء عدد ۶

فہرست مضامین

شذرات

اس سال دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کی مجلس انتظامیہ کا سالانہ جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مسلسل پروگرام کی وجہ سے ۲۳/ مئی کو رکھا گیا تھا مگر مارچ کے اواخر میں علالت کی وجہ سے ان کے سارے پروگرام ملتوی ہوگئے۔ ایسے سخت موسم میں مولانا محمد سعید مجددی (بھوپال) مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی اور ڈاکٹر پروفیسر مقبول احمد (کلکتہ) اور مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام (علی گڑھ) نے بڑا کرم فرمایا اور دارالمصنفین کی محبت میں زحمت سفر برداشت کرکے تشریف لائے۔ ہم خاص طور پر مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کے ممنون ہیں جو دارالمصنفین سے دیرینہ قلبی تعلق کی بنا پر العین سے جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے، مقامی ارکان میں مرزا امتیاز بیگ اور ڈاکٹر سلمان سلطان رونق افروز ہوئے راقم اور اس کے شریک کار جناب عبدالمنان ہلالی اور رفقائے کار نے مہمانوں کا پرجوش خیر مقدم کیا جن کی وجہ سے دو تین روز دارالمصنفین میں چہل پہل رہی، باقی تمام حضرات نے معذرت کے خطوط بھیجے۔

جلسے میں موجود ارکان نے دارالمصنفین کے علمی و انتظامی شعبوں کی رپورٹ توجہ سے سنی، اس کے موجودہ حالات و مسائل سے گہری دلچسپی لی۔ بجٹ غور و خوض کے بعد منظور کیا، رفقا اور ملازمین کے مہنگائی الاؤنس کے اضافے کے مسئلے میں مولانا تقی الدین صاحب کی خاص دلچسپی اور توجہ سے بعض رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ موقر ارکان کو یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ دارالمصنفین کا پریس جو عرصہ سے خسارے سے چل رہا تھا، اس سال وہ خسارے میں نہیں رہا۔ اگر پریس سے دارالمصنفین کو کچھ یافت بھی ہونے لگے تو یہ بڑی کامیابی ہوگی، مگر دارالمصنفین کا اصل مقصد ایسی جماعت تیار کرنا ہے جو علم و فن کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کردے اور بلند پایہ علمی و تحقیقی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اس کے لئے جس طرح کے افراد کی ضرورت ہے وہ دارالمصنفین کو میسر نہیں، جس کا سبب اس کے محدود وسائل و ذرائع ہی نہیں بلکہ قوم کی عام بدمذاقی اور مادیت کی جانب حد سے بڑھا ہوا رجحان بھی ہے، اس لئے علم و فن کے دلدادہ طلبہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے ؂

اے کہ ہم راہ موافق بہ جہاں می طلبی   آں قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

تاہم اللہ کی رحمت سے ناامیدی نہیں، ہم کو اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئے!

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے زیر اہتمام ۱۸-۲۰/ مئی کو "اکبری دور میں فارسی ادب" کے عنوان سے ایک سہ روزہ سمینار ہوا جو بہت کامیاب تھا، افتتاحی جلسہ میں شعبہ کے سربراہ پروفیسر سید محمد طارق حسن نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور پروفیسر صفوی نے سمینار کے مقصد اور موضوع کی اہمیت پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی، شعبہ کے سابق صدر پروفیسر نذیر احمد نے بڑا پرمغز اور عالمانہ کلیدی خطبہ پڑھا۔ نواب رحمت اللہ خاں شروانی کی تقریر بھی بہت پسند کی گئی جس سے فارسی شعر و ادب کے ان کے بہت اچھے ذوق کا اندازہ ہوا۔ ۱۹/ -۲۰/ مئی کو مقالات کے چھ جلسے ہوئے اور پروفیسر امیر حسن عابدی (دہلی)، پروفیسر شعیب اعظمی (دہلی)، پروفیسر عبدالودود اظہر (دہلی)، پروفیسر شریف الحسن قاسمی (دہلی)، ڈاکٹر قمر غفار (دہلی)، پروفیسر وارث کرمانی (لکھنؤ)، پروفیسر ولی الحق انصاری (لکھنؤ)، پروفیسر آصفہ زمانی (لکھنؤ)، پروفیسر انوار احمد (پٹنہ)، پروفیسر حافظ طاہر علی (شانتی نکیتن)، مسٹر فقیہی (ایران)، پروفیسر شمیم اختر (بنارس)، پروفیسر اسلم خاں، ڈاکٹر محمد آصف نعیم صدیقی، پروفیسر اقتدار صدیقی، پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر مسعود انور علوی، ڈاکٹر ریحانہ خاتون، ڈاکٹر نرگس جہاں، پروفیسر ماریہ بلقیس اور شعبہ کے استادوں اور ریسرچ اسکالروں نے مقالات پڑھے، راقم کے مقالے کا عنوان "اکبری عہد کے ایک ممتاز علمی و ادبی خانوادے کے علمی و ادبی کارنامے" تھا، مقالات پر اچھی گفتگو بھی رہی، سمینار کی کامیابی صدر شعبہ پروفیسر طارق حسن کے اخلاص، پروفیسر صفوی کی شیوا بیانی اور شعبہ کے اساتذہ اور اسکالروں کی محنت و تعاون کا نتیجہ تھی۔

دوسرا سہ روزہ سمینار ۲۹-۳۱/ مئی کو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کی "حیات و خدمات" کے موضوع پر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے زیر اہتمام ہوا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی صد سالہ تقریبات کی مناسبت سے اپریل ۹۷ء ہی میں ہونے والا تھا۔ بہار کی گورنری کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب خدا بخش لائبریری بورڈ کے

چیرمین تھے، اس زمانے میں انھوں نے لائبریری کو بڑا فائدہ پہنچایا، لائبریری کے لائق ڈائرکٹر جناب حبیب الرحمٰن چغتائی اور ان کے رفقاء نے اپنے محسن کا حق ادا کرنے کے لئے اس سمینار کا انعقاد کیا جس کی کامیابی کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں تین گورنروں اور ملک کے مختلف اداروں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ متعدد اصحاب علم و قلم نے شرکت کی۔

افتتاحی جلسہ ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی سابق گورنر بہار و بنگال کی صدارت میں جناب حبیب الرحمٰن چغتائی کے خیر مقدمی کلمات سے شروع ہوا، جسٹس بی۔ ایم۔ لال گورنر بہار اور چیرمین خدابخش لائبریری بورڈ نے افتتاحی خطبہ دیا، مہمان خصوصی خورشید عالم خاں گورنر کرناٹک کا خطبہ اور ڈاکٹر قدوائی کا خطبہ صدارت مفید معلومات پر مشتمل تھا۔ اس جلسہ میں ڈاکٹر صاحب کے بعض تلامذہ اور ان سے قربت رکھنے والے چند ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے تاثرات پیش کئے، آخر میں ڈاکٹر سلیم الدین احمد اسسٹنٹ ڈائرکٹر نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

---

۲۹ مئی کو سہ پہر میں مقالات کا پہلا جلسہ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی صدارت میں ہوا، اس میں جن اداروں سے ڈاکٹر صاحب کا گہرا تعلق تھا، ان کے تعلق سے مضامین پڑھے گئے، ڈاکٹر خلیق انجم کا مضمون "ذاکر حسین اور انجمن ترقی اردو" اور راقم کا مقالہ "ڈاکٹر ذاکر حسین اور دار المصنفین" اسی سشن میں پڑھا گیا، ۳۰ مئی کو صبح کے اجلاس کے مقالات میں معلم کی حیثیت سے ذاکر صاحب کی علمی و تعلیمی خدمات زیر بحث آئیں۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی کا مقالہ اسی سشن میں ہوا، اس روز شام کے جلسے میں ذاکر صاحب کے خطبات، تقاریر، ترجموں اور خطوط وغیرہ کے بارے میں مضامین پڑھے گئے اور جناب عبد العلیم قدوائی نے "ڈاکٹر ذاکر حسین پریم اور صدق جدید کے آئینے میں" کے عنوان سے مقالہ پڑھا، آخری روز ۳۱ مئی کو صبح کے جلسے میں حکیم سید ظل الرحمٰن، پروفیسر عماد الحسن آزاد، پروفیسر عبد الحق اور جناب فرخ جلالی وغیرہ نے مضامین پڑھے اور شام کے جلسے میں ڈاکٹر ارشد اسلم اور ڈاکٹر ادم پرکاش پرشاد نے ذاکر صاحب کی کہانیوں پر اردو اور ہندی میں اچھے مضامین پڑھے مضامین پر سوال و جواب بھی ہوئے۔ ۳۰ مئی کو شب میں شعری نشست ہوئی جس میں بعض مندوبین اور پٹنہ کے چند مقامی شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ یہ سمینار ہر اعتبار سے کامیاب رہا جس کے لئے ڈائرکٹر، اسسٹنٹ ڈائرکٹر اور لائبریری کے تمام کارکن مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مقالات

قرآنی محاورات اور استعارات

از حافظ منیر احمد خاں *

(۳)

۲۱۹۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (۱۸) — اور لوگوں سے اپنا رخسارہ کج نہ کر۔

بے رخی اور غرور کا اظہار نہ کر۔ اسی آیت میں ہے:۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً (اور زمین پر اترا کر مت چل) الفرقان ۶۳ میں بھی عاجزی سے چلنے کو فرمایا ہے۔ شانہ گردانی فارسی میں آتا ہے۔

۲۲۰۔ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (۱۹) — اور اپنی آواز کو پست کر (تاکہ غرور اور شان ظاہر نہ ہو)

۲۲۱۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً (۳۴) — اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا۔

کسب سے مراد عمل یعنی کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کون سا عمل کرے گا۔

السجدہ

۲۲۲۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ (۱۲) — اور اگر آپ دیکھیں جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے۔

۲۲۳- تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۱۶) — ان کی گردنیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے اور امید کرتے۔

یعنی ایمان لانے والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے پہلو خوابگاہوں سے علٰحدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

گردن جدا رکھنا یا پہلو جدا رکھنا یعنی نیند نہ کرنا (فرض عشا یا تہجد کے لیے یا دیگر ذکرِ الٰہی کے لیے)

الاحزاب

۲۲۴- وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (۱۰) — اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں آنکھیں اور دل گلوں کے پاس آگئے۔

(المومن ۱۸ بھی دیکھیں۔ یعنی جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجہ منھ کو آنے لگا۔ (بے حد اضطراب اور گھبراہٹ ہونا)

کلیجا منھ کو آتا ہے جب ان کو یاد کرتا ہوں — مرے احباب یارب کون سی دنیا میں رہتے ہیں

۲۲۵- تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ (۱۹) — ان کی آنکھیں (خوف سے) گھوم رہی ہیں۔

یعنی خوف سے ان کی آنکھیں چکرانے لگتی ہیں۔

۲۲۶- فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (۳۲) — پس تم نزاکت (نرمی) سے بات مت کرو۔ (خواتین کے لیے حکم)

یعنی نامحرم سے اگر بات کرنا ضروری ہو تو نرمی یا نزاکت سے بات مت کرو (سخت لہجہ چاہیے تاکہ شیطان اس کے دل میں برائی کا جذبہ پیدا نہ کرے)

۲۲۷- لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ (۶۰) — ضرور ہم آپ کو ان (منافقین) پر مسلط کر دیں گے۔

اِغراء (مضارع جمع متکلم موکد باللام تاکید و نون ثقیلہ) یعنی بھڑکانا، شہ دینا۔ مرادی معنی مسلط کر دینا۔

۲۲۸- یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ (۶۶) — جس دن ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے۔

یعنی چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے کبھی اِس کروٹ کبھی اُس کروٹ۔

تُقَلَّبُ یعنی اوندھا ڈالا جائے گا۔ لیکن چہروں کے تعلق سے معنی ہوئے کہ چہرے الٹ پلٹ کیے جائیں۔ آگ میں تلے جائیں گے۔

سبا

۲۲۹- فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ (۱۹) — پس ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔

یعنی اگلے زمانے کی کہانیاں بنا دیا (گئی گزری باتیں۔ بے حقیقت باتیں)

۲۳۰- وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَیْنٰھُمْ (۴۵) — اور وہ اس کے دسویں کو بھی نہ پہونچے جو ہم نے انہیں دیا تھا۔

یعنی یہ مشرکینِ عرب تو اگلوں کے مقابلے میں دسویں حصے کو بھی نہیں پہونچے۔

۲۳۱- اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی (۴۶) — کہ تم محض اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک۔

یعنی مستعد ہو جاؤ۔

۲۳۲- قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ — آپ فرما دیں کہ میں نے تم سے اس

فَهُوَ لَكُمْ (۴۷) — تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا

فھو لکم یعنی تم اپنے ہی پاس رکھو۔ یہ محاورہ طلب اجر کی نفی ہے۔

۲۳۳۔ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ (۵۳) — اور (کفار) پھینکتے ہیں بن دیکھے دور کی جگہ سے۔

یعنی وہ اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ بے تحقیق باتیں دور ہی سے ہانکتے ہیں۔

فاطر

۲۳۴۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ (۸) — پس ان پر افسوس کرکے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

یعنی آپ ان پر افسوس اتنا نہ فرمائیں کہ جان کے لالے پڑ جائیں۔ زیادہ غم نہ فرمائیں۔

۲۳۵۔ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (۱۰) — اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام۔

یعنی اچھا کلام اللہ تک پہونچتا ہے (اور قبول ہوتا ہے) قبول ہونا مراد ہے۔

۲۳۶۔ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ (۱۶) — وہ چاہے تو تمہیں لے جائے۔

یعنی تمہیں فنا کر دے۔

۲۳۷۔ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا (۲۶) — پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا۔

یعنی عذاب دیا۔

۲۳۸۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (۴۵) — اور اگر لوگوں کو اللہ ان کے کیے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا

یعنی اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔

پکڑنا نمبر ۲۳۷ میں بھی ہے۔ زمین کی پیٹھ سے مراد روئے زمین ہے۔

یٰسٓ

۲۳۹۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ (۸) — ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے۔

فاطر (۷۱) بھی دیکھیے۔ گردن میں طوق کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ یہاں ذکر ہے کہ ان کافروں کی گردنوں میں وہ طوق ٹھوڑیوں تک اڑے ہوئے ہیں کہ وہ نیچے کو نہیں ہو سکتے۔ (سخت کرب و ابتلا کے اظہار کے لیے ہے)

۲۴۰۔ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (۹) — اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔ اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔

دیواریں آگے پیچھے بنا دینا گویا مقید کر دینا۔ پھر اوپر سے بھی ڈھانک دینا گویا سخت اذیت میں گرفتار کر دینا۔ یعنی وہ لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے اور نہ دیکھتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہی ہوئی۔ وہ ایمان لانے والے نہیں۔

۲۴۱۔ فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ (۲۹) — پس وہ اسی دم بجھ کر رہ گئے۔

یعنی مر گئے اور ختم ہو گئے۔ راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔

۲۴۲۔ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ (۴۹) — اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔

یعنی (جب قیامت آ پہونچے گی تو اس وقت) وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے

۲۴۳۔ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ( ) — بے شک اہل جنت اس دن اپنے شغلوں میں خوش دل ہوں گے۔

یعنی اطمینان کا سانس لے رہے ہوں گے۔

۲۴۴۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (۶۵) — آج ہم ان (کافروں) کے مونھوں پر مہر کر دیں گے۔

یعنی وہ بول نہ سکیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں ہی ان کے کیے کی شہادت دیں گے

۲۴۵۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ (۷۲) — اور ان کو ہم نے ان کے لیے (لوگوں کے لیے) نرم کر دیا۔

یعنی مواشی کو ان کا تابع بنا دیا۔

الصّٰفّٰت

(۲۴۶) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (۱۰۲) — پھر جب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وہ (ان کا بیٹا) محنت اور کام کے لائق ہو گیا۔

یعنی چلنے پھرنے لگا اور دوڑ دھوپ کرنے کے لائق ہو گیا۔ سعی کے معنی محنت، دوڑ دھوپ، کوشش، کمائی بھی ہیں۔

(۲۴۷) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ (۱۱۹) — اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔

یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے ان کی اس بات (تعریف) کو باقی رکھا۔

۲۴۸۔ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ (۱۷۷) — پس جب (عذاب) اترے گا ان کے آنگن میں۔

یعنی جب ان کے بالکل سامنے وہ عذاب نازل ہوگا۔

ص

۲۴۹۔ وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ (۶) — (کافروں کے سردار کہنے لگے کہ) اور اپنے معبودوں پر صابر رہو۔

یعنی وہ کہنے لگے کہ ہمارے معبود ہمارے لیے کافی ہیں۔

۲۵۰۔ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (۵۲) — اور ان جنتیوں کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر (بیبیاں) ہوں گی۔

اَتْرَاب جمع ہے تِرب کی۔ یعنی ہم عمر، ہم سن عورتیں۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ یعنی جنھوں نے اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف آنکھ نہیں اٹھائی نہایت پاک باطن مراد ہیں۔

۲۵۱۔ وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ (۵۸) — اور اسی شکل کے اور جوڑے۔

یعنی (اس کے علاوہ بھی) اسی طرح کی (ناگوار) طرح طرح کی چیزیں ہیں۔

الزمر

۲۵۲۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (۲۳) — اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

بال کھڑے ہونے سے مراد کانپ اٹھنا اللہ کے خوف سے۔

۲۵۳۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ — پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے

وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (۲۳) ہیں یاد خدا کی طرف رغبت میں۔

یعنی ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ (اوپر کے دونوں محاورے خوفِ الٰہی سے رغبتِ الٰہی کی طرف رجوع سے متعلق ہیں)

۲۵۴۔ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ — تو کیا وہ جو قیامت کے دن بڑے عذاب
سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۲۴) — کی ڈھال نہ پائے گا اپنے چہرے کے سوا۔

منہ پر (چہرے پر) عذاب لینا (منہ کو ڈھال بنانا) اس لیے فرمایا ہے کہ ان کافروں کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے اس لیے وہ منہ ہی کو عذاب کی سپر بنا سکیں گے۔

۲۵۵۔ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ — اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے،
اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ — دل سمٹ جاتے ہیں ان کے جو آخرت
بِالْاٰخِرَةِ (۴۵) — پر ایمان نہیں لاتے۔

دل سمٹ جانا یعنی انقباض ہو جانا۔ دل بھاری ہونا۔ دل بیٹھ جانا مترادفات ہیں۔

۲۵۶۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا — آپ فرما دیجیے کہ اے میرے بندو
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (۵۳) — جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔

جانوں پر زیادتی کرنا۔ یعنی گناہ کیے۔

۲۵۷۔ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ (۶۰) — (جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا قیامت کے دن) ان کے منہ کالے ہوں گے۔

کالا منہ۔ روسیاہ۔ بدنام اور رسوا ہونے کا مترادف ہے۔

(سورۂ زخرف (۱۷) میں وجہہٗ مسوداً غم کے لیے ہے)

۲۵۸۔ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ — اور قیامت کے دن ساری زمین
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۶۷) — اس کی مٹھی میں ہوگی۔

مٹھی میں ہونا۔ قبضے میں ہونا۔ سمٹ جانا۔ مراد ہے۔

۲۵۹۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ — اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے
بِيَمِيْنِهٖ (۶۷) — داہنے ہاتھ میں۔

طَیّ سے اسم مفعول یعنی تمام آسمان لپیٹ دیے جائیں گے۔ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہوگا۔ زمین کو سمیٹ دینا آسمانوں کو لپیٹ دینا سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

المؤمن

۲۶۰۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ — اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور
وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (۱۹) — جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ آنکھوں نے غلط کام کیا ہے وہ بھی اسکے علم میں ہے اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ بھی اسکے علم میں ہے۔ خائنۃ الاعین۔ خیانت کرنے والی آنکھیں (خائنۃ اسم فاعل ہے لیکن یہاں مصدر کے معنی میں ہے یعنی خیانت)

۲۶۱۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ — اللہ ہے جس نے تمہارے لیے رات
الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ — بنائی کہ اس میں آرام پاؤ اور دن
مُبْصِرًا (۶۱) — بنایا آنکھیں کھولنا۔

آنکھیں کھولنا یعنی دن کو دیکھنے کے لیے روشن بنایا۔ تاکہ بے تکلف معاش اور اپنے

دوسرے کام حاصل کر سکیں۔

حٰمٓ السجدۃ

۲۶۲- فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۱۷)

تو انہوں نے (ثمود نے) سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا۔

اندھے ہونے کو۔ یعنی گمراہی کو پسند کیا۔

۲۶۳- اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا (۴۰)

بے شک وہ لوگ جو کجی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں۔

وہ لوگ آیات قرآنیہ میں غلط کاری اور غلط اندیشی سے کج بیانی کرتے ہیں اور کج روی سے باز نہیں آتے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

۲۶۴- وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (۴۴)

اور وہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ (قرآن) ان پر نابینائی ہے۔ (گویا) وہ دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (کہ آواز سنتے ہوں مگر نہ سمجھتے ہوں)

دور کی آواز۔

۲۶۵- سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (۵۳)

ہم عنقریب ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا بھر میں (گردونواح میں بھی) اور خود ان کی ذات میں بھی دکھلائیں گے۔

اس جگہ اشارہ ہے کہ یہ کفار جان لیں گے کہ وہ مارے جائیں گے اور ان کا مسکن (مکہ معظمہ)

بھی فتح کر لیا جائے گا۔

الشوریٰ

۲۶۶- مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ (۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے۔

آخرت کی کھیتی (آخرت کا ثواب جو اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کے فضل سے مضاعف ہو جائے گی۔

۲۶۷- اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰي ظَهْرِهٖ (۳۳)

اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (بحری جہاز) سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

سمندر کی پیٹھ یعنی سمندر کی سطح۔

۲۶۸- وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (۴۵)

اور تم انہیں دیکھو گے کہ (آگ) پر پیش کیے جاتے ہیں۔ ذلت سے دبے جھکے ہوئے ہوں گے اور چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے۔

چھپی نگاہ سے دیکھنا یعنی خفت کی نگاہ سے دیکھنا۔ سست نگاہی بھی اسی کو کہتے ہیں۔

الزخرف

۲۶۹- اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا (۵)

کیا ہم تم سے ذکر کا پہلو پھیر دیں؟

یعنی کیا ہم اس نصیحت (نامہ) کو تم سے اس بات پر ہٹا لیں (کہ تم حد سے گزرنے

والے ہو) ذکر کے پہلو کو ہٹانا یعنی ذکر (نصیحت نامے) کو بند کر دینا مرادی معنی ہیں۔

۲۷۰۔ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (۲۰) — یونہی اٹکل دوڑاتے ہیں۔

سورۃ الانعام (۱۱۶) یونس (۶۶) اور الذریت (۱۰) میں بھی ہے۔ خرص کھڑی کھیتی یا پھلوں کے درخت پر تخمینہ کرنا۔ مجازاً ہر بات پر گمان اور تخمین کرنا۔ اٹکل پچو بات کرنا۔

۲۷۱۔ اَمْ اٰتَیْنٰھُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِہٖ فَھُمْ بِہٖ مُسْتَمْسِکُوْنَ (۲۱) — کیا اس سے قبل ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جسے وہ تھامے ہوئے ہیں۔

تھامے ہیں یعنی کیا اس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

۲۷۲۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ (۳۶) — اور جسے رتوندائے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے۔

عشا آنکھ میں اندھیرا آجانے کو کہتے ہیں۔ عَشِیَ یَعْشیٰ کے معنی شب کور یا اندھا ہونا ہے۔ مجازاً غفلت کرنے والے اور اعراض کرنے والے کے معنی میں مستعمل ہے۔

۲۷۳۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ (۳۸) — یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئے گا، اپنے شیطان سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا۔ تو کیا ہی برا ساتھی ہے۔

بُعد المشرقین بہت بڑے فاصلے کے لیے محاورہ بن گیا۔

انگریزی میں بھی ہے: TO LIVE AT POLES APART۔

۲۷۴۔ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ (۵۴) — پس (فرعون نے) اپنی قوم کو بے وقوف بنا دیا۔

باتیں بنا بنا کر مغلوب کر دیا۔

الدخان

۲۷۵۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ (۳۸) — اور ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان کھیل کے طور پر۔

کھیل کے طور پر۔ یعنی فعلِ عبث۔ بے مقصد۔

۲۷۶۔ فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ — تو اگر (یہ لوگ نہ مانیں) تو آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔

یہ محاورہ اس لیے ہے کہ آپ فکر میں نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کو سمجھ لے گا۔

الجاثیہ

۲۷۷۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ (۱۳) — اور تمہارے لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اپنے حکم سے۔

مسخر یعنی بس میں کر دیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی صلاحیتوں کو جو اس نے عطا فرمائی ہیں ظاہر فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے حکم سے بندہ اپنے بس میں کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اس آیت سے بندہ کی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کا استدلال کیا ہے۔

۲۷۸- وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً (۲۸)
اور اس روز آپ ہر گروہ کو دیکھیں گے کہ زانو کے بل گرے ہوئے ہیں۔

زانو کے بل گر پڑنا خوف کی وجہ سے ہے۔ انتہائی خوف کی وجہ سے گر پڑیں گے۔

الاحقاف

۲۷۹- هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (۸)
وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم لگتے ہو مشغول ہوتے ہو۔

(افاضہ سے مضارع جمع مذکر حاضر) قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم کو چھوڑے گا نہیں۔

محمد

۲۸۰- فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (۴)
پس جب کفار سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو۔

گردنیں مارنا یعنی قتل کرنا مراد ہے۔

۲۸۱- حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (۴)
یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے۔

مراد اس سے اسلام یا استسلام میں سے کسی ایک کا قبول کرنا ہے۔

۲۸۲- وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (۷)
اور (اللہ) تمہارے قدم جما دے گا۔

ثابت قدم ہونا مشہور محاورہ ہے۔

۲۸۳- رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ (۲۰)
جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

یعنی جہاد میں جانے کے خوف سے (نفاق کی وجہ سے) ان کی صورت ایسی ہو جاتی ہے۔ (موت کا ڈر)

۲۸۴- اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۲۴)
یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

کیا وہ سمجھتے نہیں؟

۲۸۵- اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِهِمْ (۲۵)
بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے۔

پیٹھ پھیرنا عام طور پر بولا جاتا ہے۔

۲۸۶- وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ (۳۰)
اور ہم اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتا بتا دیتے تو آپ ان کو ان کی صورت سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیتے۔

صورت دیکھ کر پہچان لینا اور طرز کلام سے بھانپ لینا ایک ایسی صلاحیت ہے جو اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

۲۸۷- وَیُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ (۳۷)
اور اللہ تعالیٰ تمہاری عداوتوں کو ظاہر کر دے گا۔

(ضِغن - عداوت) یعنی دلوں کے میل کو ظاہر کر دے گا۔ دلوں میں جو ناگواری ہے اس کو ظاہر کر دے گا۔

الفتح

۲۸۸- عَلَیْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ (۶)
انہی پر ہے بری گردش۔

یعنی ان پر برا وقت پڑنے والا ہے۔

۲۸۹ - يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (۱۰) — اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

یعنی مطلق بیعت ضمانِ طاعت سے عبارت ہے۔

۲۹۰ - يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۱۱) — وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو ان کے دلوں میں نہیں۔

یعنی جو کچھ کہتے ہیں وہ محض غلط بیانی ہے۔ (منافقت ہے)

۲۹۱ - وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (۲۰) — اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے

اسی سورہ کی آیت ۲۴ میں بھی ہے۔ یعنی سب کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا کہ ان کو دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا۔

۲۹۲ - سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (۲۹) — ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

زیادہ سجدہ کرنے سے ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان بن گئے ہیں اور یہ ان کی پہچان ہے (ان کی پہچان اور ان کی شان اس طرح ظاہر ہے)

الحجرات

۲۹۳ - حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (۹) — یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع ہو جائے (اصلاح ہو جائے)

۲۹۴ - قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا — گنوار لوگ بولے ہم ایمان لائے آپ فرما دیں کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو

اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۱۵) — کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

گویا اسلام کو تسلیم کر لیا لیکن فرماں برداری نہیں کی (جیسا کہ آج کل کے عام مسلمانوں کا حال ہے)

ق

۲۹۵ - وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (۱۶) — اور ہم اس (انسان) کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ۔

یعنی ہم علم کے اعتبار سے اس کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

۲۹۶ - اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ (۱۷) — جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک داہنی طرف بیٹھا اور ایک بائیں طرف۔

متلقین سے عام مفسرین کے نزدیک وہ دو فرشتے مراد ہیں جن میں سے ایک کاتبِ حسنات داہنی طرف اور دوسرا کاتب سیئات بائیں جانب رہتا ہے۔

۲۹۷ - اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (۳۷) — بے شک اس شخص کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو

جس کے پاس دل ہو۔ مراد فہیم دل ہو۔ دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان لگائے اور متوجہ ہو۔

الذاریات

۲۹۸- یُؤْفَکُ عَنْہُ مَنْ اُفِكَ (۹) — اس (قرآن) سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت میں اوندھایا جانا ہو۔

اوندھا کیا جانا یعنی پھر جانا اور اعتقاد نہ رکھنا مراد ہے۔

۲۹۹- قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَۃٍ سَاهُوْنَ (۱۰و۱۱) — مارے جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو کہ نشے میں بھولے ہوئے ہیں۔

من گھڑت باتیں کرنا اور اختیاری غفلت میں رہنا مراد ہیں۔

۳۰۰- فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُہٗ فِیْ صَرَّۃٍ فَصَکَّتْ وَجْهَهَا (۲۹) — اتنے میں ان کی بی بی بولتی آئیں۔ پھر ماتھے پر ہاتھ مارا۔

ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ماتھا ٹھونکا۔ یعنی ایسا کہاں ہو سکتا ہے۔ (مرادی معنی)

۳۰۱- فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰہِ (۵۰) — پس تم اللہ کی طرف بھاگو۔

یعنی جلد اللہ تعالیٰ سے رشتہ کرو۔

بھاگ جانے کے لیے یہ لفظ اردو میں رائج ہوگیا ہے۔

ان کے ماحول کو لاحول سے دیجیے تشبیہ — کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی ففروا شیطان (ظفر علی)

الطور

۳۰۲- یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (۱۳) — جس دن جہنم کی آگ کی طرف دھکا دے کر ڈھکیلے جائیں گے۔ (یعنی ذلت کے ساتھ ڈھکیلے جائیں گے)

ممکن ہے کہ دعا سے دھکا (اردو میں) بن گیا ہو۔

۳۰۳- فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا (۴۸) — پس آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔

یعنی ہماری نگہداشت (حفاظت) میں ہیں۔

النجم

۳۰۴- مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (۲) — تمہارے صاحب نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہوئے۔

(راستہ بھول کر کھڑا رہ جانا ضلال ہے اور غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلنا غوایت کہلاتا ہے)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے محفوظ رہے۔

راہ سے بھٹکنا اور غلط راستہ ہو جانا دونوں محاورے ہیں۔

۳۰۵- مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (۱۷) — (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی) آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔

آنکھیں ٹھیری رہنا اردو میں بھی بولتے ہیں۔

۳۰۶- وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹) — اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کمائی۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ مشہور محاورہ ہے۔

القمر

۳۰۷- خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ (۷) — (ذلت اور شرم کے مارے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

المعارج (۴۴) اور النازعات (۹) بھی دیکھیں۔ "نیچی آنکھیں شرم سے"۔ اردو میں اور مختلف زبانوں میں بھی ہے۔

۳۰۸- فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ (۳۷) پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں۔

(ان کی بدنیت کی وجہ سے)

یعنی ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں۔ اندھا کر دیا۔ بے نور کر دیا۔

الرحمٰن

۳۰۹- وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور ڈرتے ہیں (یہ خاص بندوں کی کیفیت ہے) اللہ کا خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا ہے۔

۳۱۰- فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ (۵۶) ان میں نیچی نگاہ والی ہوں گی۔

الصافات (۴۸) اور ص (۵۲) میں بھی ہے۔ یعنی باحیا۔ پاک دامن۔

۳۱۱- هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۶۱) نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

یہ آیت ضرب المثل کی طرح مختلف زبانوں میں مشہور ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر (حالی)

الواقعہ

۳۱۲- فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (۶) پہاڑ پراگندہ (ریزہ ریزہ) غبار ہو جائیں گے۔

بالکل باریک ریزے بن جائیں گے۔ یعنی ختم ہو جائیں گے۔

۳۱۳- اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (۸۱) تو کیا تم اس بات میں سستی کرتے ہو؟

یعنی کیا تم اس کلام کو معمولی اور سرسری سمجھتے ہو؟ (ادہان سے اسم فاعل جمع مذکر۔ چکنی چپڑی بات۔ فریب کی بات۔ گری ہوئی بات کے لیے بھی مستعمل ہے) (باقی)

پدمنی اور علاء الدین خلجی کا قصہ

از پروفیسر اکبر رحمانی ٭

ملک محمد جائسی سولہویں صدی کا شاعر تھا۔ جس کی مثنوی 'پدماوت' ہندی ادب کا ایک لافانی شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ اسے جائسی نے شیر شاہ سوری کے عہد میں ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء میں اودھی زبان میں تصنیف کیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جائسی نے اسے فارسی رسم الخط میں لکھا تھا۔ اس میں پدمنی اور رتن سین کی محبت اور سلطان علاء الدین خلجی کے چتوڑ پر فوج کشی کا دلچسپ قصہ نظم کیا گیا ہے۔ یہ قصہ عوام و خواص میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے واقعات کو تاریخی واقعات سمجھنے لگے۔ ساڑھے چار سو برس گزرنے کے بعد بھی پدماوت کا قصہ بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ آج بھی بعض اس قصہ کو سچا سمجھتے ہیں اور بعض اسے من گھڑت' فرضی اور محض افسانہ سمجھتے ہیں۔

پدماوت میں جو قصہ بیان ہوا ہے بعد کے مورخوں نے اسے بیان کرتے وقت کچھ اضافے اور حاشیہ آرائیاں بھی کیں۔ راجستھان کے لوک گیتوں میں بھی یہ قصہ مبالغہ آرائی سے بیان کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات اور تضادات پیدا ہوگئے۔

آئیے ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ پدماوت میں یہ قصہ کس طرح بیان ہوا ہے اور بعد کے مورخوں نے اسے کس طرح بیان کیا ہے!

پدماوت کا قصہ پدماوت کی کہانی کے دو حصے ہیں پہلا تخیلی اور دوسرا نیم تاریخی

٭ ایڈیٹر ماہنامہ آموزگار۔ جلگاؤں۔

پہلے حصے میں پدمنی اور رتن سین کا عشقیہ قصہ بیان ہوا ہے اور دوسرے حصے میں علاء الدین کے
چتوڑ پر حملے کی داستان بیان کی گئی ہے۔

پہلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ سنہل دیپ (لنکا) کے راجا گندھرو سین کی حسین وجمیل بیٹی
پدماوتی (پدمنی) جوان ہونے کے بعد دل گرفتہ رہنے لگی۔ یہ ایک توتے کو جس کا نام ہیرامن
تھا بہت عزیز رکھتی تھی۔ ایک روز ہیرامن نے پدماوتی سے اس کی افسردگی کا سبب دریافت
کیا۔ شہزادی نے بتایا کہ اب وہ کسی کو اپنا شریک زندگی بنانا چاہتی ہے۔ توتے نے لائق شوہر
تلاش کرنے کے لیے پدماوتی سے اجازت چاہی۔ سوء اتفاق سے راجا گندھرو سین کو اس کی اطلاع
ہوگئی۔ اس نے توتے کو ہلاک کرنا چاہا لیکن پدماوتی نے اسے بچا لیا۔ ایک دن جب پدماوتی
اپنی سہیلیوں کے ساتھ نہانے گئی تھی ہیرامن وہاں سے بھاگ نکلا لیکن جنگل میں ایک برہمن
شکاری کے ہاتھ پکڑا گیا۔ اس کی دلچسپ باتوں سے متاثر ہوکر چتوڑ راجا رتن سین نے اسے
ایک لاکھ روپے قیمت دے کر خرید لیا۔ ایک دن جب کہ رتن سین شکار کو گیا تھا اس کی رانی
ناگمتی ہیرامن کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ آیا دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوبصورت ہے۔
اس پر توتے نے پدماوتی کے حسن وجمال کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ تم سے زیادہ حسین ہے۔ یہ سن کر
ناگمتی ڈری، اگر توتے نے پدماوتی کے حسن وجمال کا ذکر راجا کے سامنے کر دیا تو وہ اس کے عشق میں
جوگی بن کر نکل نہ جائے۔ اس نے توتے کو مار ڈالنے کا سوچا اور یہ کام اپنی ایک خادمہ کے
سپرد کیا۔ خادمہ نے توتے کو مارا نہیں۔ کچھ سوچ کر اسے چھپا رکھا۔ شکار سے لوٹنے پر جب
راجا نے توتے کو نہ پایا تو اسے اتنا افسوس ہوا کہ کھانا پینا تک چھوڑ دیا۔ پھر کسی نہ کسی بہانے
سے توتا اس کے سامنے لایا گیا اور اس نے راجا کو تمام واقعہ کہہ سنایا۔ راجا پدماوتی کے
حسن وجمال کا احوال سن کر اس کا نادیدہ عاشق ہوگیا اور اسے حاصل کرنے کے لیے جوگی کے بھیس

میں ہیرامن توتے کی رہنمائی میں سنہل دیپ پہونچا۔ راجہ کے ساتھ سولہ ہزار کنور بھی تھے۔ یہاں
پہونچ کر توتے کے ذریعے راز و نیاز کے مراحل طے ہوئے۔ توتے نے پدماوتی سے مل کر راجا
رتن سین کے حسن کی بے حد تعریف کی اور یہ بھی کہا کہ "وہ تمہاری محبت میں جوگی بن کر یہاں تک
آپہنچا ہے"۔ بڑے رگڑوں جھگڑوں کے بعد دونوں کی شادی ہوئی۔ واپسی پر رتن سین اور پدمنی
کا جہاز طوفان میں گھر کر راہ بھٹک گیا۔ طرح طرح کے مصائب اور آلام سے مقابلے کے بعد دونوں
چتوڑ پہنچے۔ ناگمتی اور پدمنی دونوں راجا کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگیں۔

دوسرے حصہ میں بتایا گیا ہے کہ جب سلطان علاء الدین خلجی نے چتوڑ سے نکالے ہوئے
راگھو نامی ایک پنڈت سے پدمنی کے حسن وجمال کا تذکرہ سنا تو وہ اس کے حصول کے لیے بے تاب
ہوگیا۔ اس نے اپنے ایک ایلچی کو خط دے کر رتن سین کے پاس روانہ کیا۔ بادشاہ نے خط میں
لکھا تھا کہ "پدماوتی کو فوراً بھیج دو۔ اس کے بدلے میں جس قدر چاہے ملک لے لو"۔ راجہ رتن سین
غصے سے لال ہوگیا اور اسی غصے میں ایلچی کو نکلوا دیا۔ جب اس طرح کام نہ نکلا تو علاء الدین نے
چتوڑ پر چڑھائی کر دی لیکن آٹھ برس تک لڑنے کے بعد بھی قلعہ فتح نہ ہوا۔ بالآخر علاء الدین نے
صلح کر لی۔ رتن سین نے سلطان کی مسلسل کئی روز تک دعوت کی۔ ایک دن علاء الدین ٹہلتے
ٹہلتے پدماوتی کے محلوں کی طرف جا نکلا تو وہاں بہت سی پری جمال عورتیں نظر آئیں۔ بادشاہ
نے راگھو سے جو اس کے ہمراہ تھا پوچھا کہ "ان میں پدماوتی کون ہے؟" راگھو نے کہا کہ "پدمنی
یہاں کہاں۔ یہ سب تو اس کی کنیزیں ہیں"۔ یہ سن کر علاء الدین کو پدماوتی کے دیکھنے کا اشتیاق
اور بھی زیادہ ہوگیا اور محض پدماوتی کو دیکھنے کی امید میں محل کے سامنے ہی بیٹھ کر شطرنج کھیلنے
لگا۔ ایک دن اتفاقاً محل کے قریب آئینے میں علاء الدین نے پدماوتی کا عکس دیکھ لیا جس کے
بعد سلطان کی تمنا اور بے قراری کئی گنا بڑھ گئی۔ جب کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہ آئی تو علاء الدین

نے دھوکے سے رتن سین کو گرفتار کرلیا اور دہلی لے جاکر ایک تنگ کوٹھری میں قید کر دیا۔

رتن سین کی غیر موجودگی میں اس کے مخالف راجہ دیوپال نے کومودنی نامی ایک عورت کو قاصد کی حیثیت سے بھیج کر پدماوتی کو ورغلانے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔

ادھر دلی پہونچ کر علاء الدین نے بھی جاسوسوں کے ذریعے پدماوتی کو رتن سین سے ملانے کے بہانے بلوانا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ راجپوت سردار گورا اور بادل نے راجا رتن سین کو رہا کرنے کے لیے چال چلی۔ سولہ سو بہادر راجپوت سپاہی پالکیوں میں چھپ کر دلی پہونچے یہ مشہور کیا گیا کہ پدمنی علاء الدین کے حرم میں داخل ہونے کے لیے اپنی سولہ سو کنیزوں کے ساتھ دلی آئی ہے۔ پہرے دار سپاہیوں نے رشوت پاکر ان کا جائزہ بھی نہ لیا اور اس طرح بغیر روک ٹوک تمام پالکیاں قلعے کے اندر داخل ہوگئیں۔ بادشاہ کو یہ پیغام پہنچایا گیا کہ پدماوتی راجا رتن سین سے مل کر خزانے کی کنجیاں اس کے حوالے کرنے کے بعد محل میں آئے گی۔ چنانچہ جب پالکی رتن سین کے قید خانے کے پاس پہنچی تو پالکی سے نکل کر لوہار نے راجا کی بیڑیاں علاحدہ کر دیں راجا کے رہا ہوتے ہی پالکیوں میں چھپے ہوئے راجپوت تلواریں لیے ہوئے باہر نکل آئے اور انھوں نے قلعے کے سپاہیوں کو مار گرایا۔ اس طرح راجپوت سردار اور گورا اور بادل رتن سین کو بادشاہ کی قید سے چھڑا کر چتوڑ لے گئے۔ راستے میں تعاقب کرتی ہوئی بادشاہ کی فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے گورا مارا گیا۔ جب رتن سین چتوڑ پہنچا تو پدماوتی کے منھ سے اپنے مخالف دیوپال کے کمینے پن کا حال سن کر دوسرے دن اس پر حملہ آور ہوا۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ دیوپال مارا گیا لیکن اس لڑائی میں رتن سین بھی بری طرح زخمی ہوا۔ وہ زخموں کی تاب نہ لا سکا اور چتوڑ کی حفاظت کا بار بادل پر ڈال کر راہی ملک عدم ہوا۔ اسی اثنا میں علاء الدین بھی ایک بھاری لشکر لیے رتن سین

کے تعاقب میں چتوڑ پہنچا مگر پدمنی اور رانی ناگمتی دونوں علاء الدین کے وہاں پہنچنے سے پہلے رتن سین کی لاش کے ساتھ ستی ہوچکی تھیں۔ بادل قلعہ کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا اور چتوڑ پر علاء الدین کا قبضہ ہوگیا۔

ملک محمد جائسی کی اس کہانی میں رومان ایڈونچر اور المیہ کا حسین امتزاج ہونے سے بہت جلد عوام میں مقبول ہوگئی۔ فارسی مورخوں نے جو افسانہ اور حقیقت میں تمیز کرنے کی زیادہ پروا نہیں کرتے انھوں نے اسے حقیقت تسلیم کرلیا۔ چنانچہ ملک محمد جائسی کے بعد پدمنی کا واقعہ فرشتہ، حاجی الدبیر، ابوالفضل اور کرنل ٹاڈ کی تصانیف میں جزوی اختلافات کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے مذکور ہوا ہے۔

تاریخ فرشتہ کا بیان فرشتہ نے چتوڑ کا حال دو جگہ لکھا ہے۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے کہ "سلطان علاء الدین نے چھ ماہ کے محاصرے کے بعد چتوڑ کا قلعہ فتح کیا اور اسے خضر خاں کے سپرد کر دیا جس کے ولی عہد ہونے کا اس نے اعلان کر دیا تھا۔ وہ چتوڑ کے اس وقت کے راجا تک کا نام نہیں بیان کرتا۔"

دوسرے مقام پر وہ ۷۰۴ھ/۱۳۰۴ء کے واقعات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ:

"راجہ رتن سین جو چتوڑ کے حملے کے وقت مقید تھا بڑے عجیب و غریب طریقے سے اس نے رہائی حاصل کی۔ رتن کی عورتوں میں ایک پدمنی تھی جس کے جمال اور ہنرمندی نے سلطان کو اسے حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس نے راجا سے کہا کہ اگر وہ آزاد ہونا چاہتا ہے تو وہ پدمنی کو سلطان کے حوالے کر دے۔ رتن سین نے یہ تجویز قبول کرلی اور پدمنی کو بلا بھیجا لیکن اس کے اعزہ و اقربا نے اس توہین آمیز تجویز کو مسترد کر دیا اور پدمنی کو اس بے عزتی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے زہر دینے کا خیال کیا لیکن رتن سین کی ایک

بیٹی نے جو اپنی ذہانت اور ہوشیاری کے لیے مشہور تھی ایک ایسا منصوبہ بنایا جس سے اس نے اپنے باپ کو کسی بے غیرتی اور بے عزتی کا ارتکاب کیے بغیر سلطان کی قید سے چھڑا لیا۔ پھر فرشتہ پالکیوں میں بہادر راجپوتوں کے جانے اور رانا کو چھڑا لانے کی جانسی کی کہانی بعینہ نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ اس دن سے کہ رتن سین بحفاظت تمام چتوڑ واپس پہنچ گیا اس نے اپنے ان علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ آخر کار سلطان علاء الدین نے چتوڑ پر قبضہ جاری رکھنا بے کار سمجھا اور خضر خاں کو اسے خالی کر دینے کا حکم دیا۔ اس وقت چتوڑ رانا کے ایک بھانجے (بہن کے لڑکے) کے سپرد کر دیا گیا"۔ (خلجی خاندان از لال)

اس واقعہ کو فرشتہ نے فارسی میں اس طرح بیان کیا ہے:

" درخلال ایں احوال راجہ رتن سین راجہ قلعہ چتوڑ کہ تا آنوقت در حبس بود بروش غیر مترقبہ نجات یافت و شرحِ آں چنیں ست کہ پس از مدتے کہ راجہ در قید بود، بسمع پادشاہ رسانیدند۔ کہ در میان زنان راجہ چتوڑ زنے ست پدمنی نام۔ سہی قد، سیہ چشم ماہ سیماو بہ جمیع صفات محبوبی متصف۔ پادشاہ بوے پیغام داد کہ خلاصی تو منحصر در احضار آں جمیلہ است۔ راے قبول نمودہ۔ کسان بطلب اہل و عیال خود کہ بہ کوہستانات محکم پناہ بردہ بودند، فرستاد تا ازاں میاں مقصود پادشاہ را حاصل نماید۔ اما راجپوتان خویش راجہ ازاں پیغام دلگیر گشتہ سرزنش بسیار کردند دختر راے کہ بفہم و عقل مشہور خویش و قبیلہ خود بود گفت تدبیرے بخاطرم رسیدہ کہ ہم پدر زندہ ماند و ہم بے ناموسی ترسد و آں اینست کہ پالکی بسیار پر از مردانِ کار، با جماعتے از پیادہ و سوار روانہ دہلی کنید و آوازہ انگنید کہ حسب الحکم پادشاہ زنانِ راجہ متوجہ حضور اند و چوں

بحوالی شہر رسند، وقت شب بہ معورہ در آمدہ راہ حبس خانہ راجہ را پیش گیرند و بعد ازانکہ نزدیک آں رسند، جملہ راجپوتاں تیغ ہا علم کردہ بدرون وثاق در آیند۔ و سر سر کشائے کہ قدم ممانعت پیش گزارند جدا کردہ پدرم برا سپ بادرفتار۔ سوار سازند و برق ساں راہ ملک خود پیش گیرند۔ اہل راۓ آں راۓ را پسندیدہ بداں عمل نمودند و جماعتے از فدائیاں در پالکی ہا نشستہ روانہ دہلی شدند وقتیکہ پاسے از شب گزشتہ بود، بہ شہر در آمدند، آوازہ انداختند کہ پدمنی را با سائر متعلقان راۓ آوردیم چوں بوثاق نزدیک شدند یکبار راجپوتان شمشیرہا کشیدہ از پالکی ہا بیرون آمدہ و دیدند و بہ قتل محافظان اقدام نمودہ، زنجیر راۓ بشکستہ وا و را سوار کردہ۔ ہم چو مرغ کہ از قفس۔ بجد از شہر بیرون شدند و بہ جماعتے از راجپوتان کہ موجود بودند پیوستہ راہِ ولایتِ خود پیش گرفتند در اثنائے راہ سواران پادشاہ کہ تعاقب کردہ بودند در چند موضع بالیشاں رسیدہ تلاشہا کردند و جمع کثیر از راجپوتان بقتل آوردن۔ لیکن راۓ بہ عنوان کہ توانست افتاں و خیزاں بہ مشقت بسیار خود را بہ کوہستانے کہ اہل و عیال او در انجا بودند رسانید و بہ یمن دولتِ تدبیر دختر خوب سیرت از چنگِ عقوبت پادشاہ نجات یافتہ"۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول۔ نولکشور۔ لکھنؤ ۱۸۷۴ء۔ ص ۱۱۵)

عربی تاریخ ظفر الوالہ کا بیان

فرشتہ کا ہم عصر حاجی الدبیر جس نے عربی زبان میں "ظفر الوالہ" کے نام سے تاریخ لکھی ہے وہ پدمنی کے بارے میں مختلف کہانی اور ایک سے زیادہ روایت بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

" چتوڑ کی فتح کے بعد اس کے ہندو راجہ کو خود چتوڑ کے ایک پہاڑی مکان میں

مقید کر دیا گیا تھا اور علاء الدین نے دہلی سے اس کو پیغام بھیجا تھا جس میں اس کو آزادی کی ضمانت دی گئی تھی بشرطیکہ وہ اپنی بیوی اس کے حوالے کر دے"۔

حاجی الدبیر یہاں پدمنی کا اصل نام نہیں لیتا ہے بلکہ ایک ایسی عورت کا لقب استعمال کرتا ہے جو بعض خاص خوبیوں کی مالک تھی۔ ایک دوسری روایت جو الدبیر بیان کرتا ہے یہ ہے کہ:

"علاء الدین نے چتوڑ جانے سے قبل پدمنی کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور اس کے بدلہ میں رانا کی رہائی کا وعدہ کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب سلطان دہلی لوٹ رہا تھا تو کیا عجب ہے کہ راجا اس کے ہم رکاب رہا ہو۔ ممکن ہے اس نے سلطان سے درخواست کی ہو کہ اسے میواڑ ہی میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی بیوی کو اس کے حرم میں جانے کے لیے آمادہ کر سکے اور اس کو سلطان کے مقرر کیے ہوئے شخص کے سپرد کر دے اور پھر سلطانی محافظوں کی حفاظت میں خود بھی دہلی پہنچ جائے۔ علاء الدین نے عورت کی چاہ میں اسے وہیں چھوڑ دیا اور خود دہلی چلا گیا۔ راجہ نے اپنے قابل اعتماد امرا اور خدام کو خفیہ ہدایات بھیجیں اور وہ ڈھائی ہزار کی تعداد میں پالکیوں میں آئے لڑے اور اس کو نکال لے گئے۔ علاء الدین نے یہ سن کر چتوڑ کو راجہ کی ایک بھانجی (بہن کی لڑکی) کے سپرد کر دیا جو سلطان کے عقد میں تھی۔ لیکن راجہ کے وزیر نے اس کو جلد ہی مار ڈالا۔ جس کے بعد مندورا جہ اپنے علاقے میں پھر واپس آگیا اور وہاں اس نے اپنا اقتدار پھر مستحکم کر لیا۔ یہ صورت حال ۹۴۱ھ تک برقرار رہی۔ پھر گجرات کے حاکم بہادر بن مظفر نے چتوڑ فتح کر لیا"۔ (خلجی خاندان۔ کے ایس لال، مترجم یسین مظہر صدیقی۔ ترقی اردو بورڈ۔ دہلی ۱۹۸۰ء۔ ص ۱۲۱-۱۲۲)

آئین اکبری کا بیان

مغل بادشاہ اکبر کے عہد کی مستند معتبر تاریخ "آئین اکبری" جسے ابو الفضل نے تصنیف کیا تھا۔ اس میں بھی صوبہ اجمیر کے بیان میں "فتح چتوڑ" کا ذکر ہے جزوی اختلاف کے علاوہ یہ بیان بھی جائسی کی کہانی پر مبنی ہے۔ علامہ ابوالفضل رقم طراز ہیں:

"قدیم مورخ کہتے ہیں کہ سلطان علاء الدین خلجی نے سنا کہ راول رتن راجہ میواڑ کی زوجہ بے حد حسین و خوبصورت ہے۔ بادشاہ نے راجا سے اس عورت کی درخواست کی۔ راجا نے انکار کیا اور علاء الدین نے لشکر کشی کر کے چتوڑ کا محاصرہ کر لیا۔ علاء الدین نے عرصہ دراز تک محاصرہ جاری رکھا اور زحمتیں گوارا کیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اخیر میں بادشاہ نے حیلہ سازی سے کام لیا اور نرمی و دوستی کا اظہار کیا۔ راجا نے بادشاہ کی رائے سے اتفاق کیا اور سامان مہمان نوازی میں مصروف ہوا۔ سلطان علاء الدین اپنے مخصوص درباریوں کے ہمراہ قلعہ کے اوپر گیا اور بزم دوستی گرم ہوئی۔ بادشاہ نے موقع پا کر راجہ کو گرفتار کر لیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے ہمراہ سو امرا اور تین سو سوار تھے جو خدمت گاروں کا جامہ پہنے ہوئے تھے۔ راجا کے ملازمین کے یکجا ہونے تک شاہی فوج راجا کو جلد سے جلد لشکر گاہ تک لے آئی جس کی وجہ سے راجا کے ملک میں ماتم برپا ہو گیا۔ بادشاہ نے راجہ کو قید کر دیا اور اپنے مطلب مقصود کو حاصل کرنے میں کوشاں ہوا۔ راجہ کے باوقار درباریوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ راجہ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے ہم جلد سے جلد بادشاہ کے مطلوب کو مع دیگر خواتین کے جو محل شاہی کی زیب و زینت ہو سکتی ہیں حضور میں حاضر کرتے ہیں۔ امیروں نے ایک خط رانی کی طرف سے بھی بادشاہ کے نام روانہ کیا اور اس طرح اس کے شک و شبہ کو قطعی دور کر دیا۔ بادشاہ اس واقعہ سے خوش ہوا اور اس نے نہ صرف راجہ کو اذیت پہنچانے سے

کنارہ کشی کی بلکہ اس کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آنے لگا۔ بیان کرتے ہیں کہ سات سو بہادر سوار عورتوں کا لباس پہنا کر ڈولیوں میں سوار کیے گئے اور بادشاہ کی بارگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہندوؤں نے ظاہر کیا کہ رانی مع اپنی لونڈیوں کے بادشاہ کے محل میں آئی ہے۔ یہ گروہ علائی دربار کے قریب پہونچا اور انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ رانی کی آرزو یہ ہے کہ راجہ سے ملاقات کر کے محل شاہی میں داخل ہو۔ علاءالدین غفلت ولاپرواہی کے خواب گراں میں مبتلا تھا۔ اس نے راجہ کو رانی سے ملاقات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس درمیان سوار موقع پاکر ڈولیوں سے نکل پڑے سواروں نے عورتوں کا لباس اتار دیا اور راجہ کو اٹھا کر روانہ ہوئے۔ راجپوتوں کا گروہ وقتاً فوقتاً راہ میں علائی سواروں سے جو ان کے عقب میں آرہے تھے مردانہ وار مقابلہ کرتا تھا۔ چند راجپوتوں کے کام آنے تک راجہ نے ایک اچھی مسافت طے کرلی آخر میں چوہان، گورا اور بادل اقوام کے راجپوت راہ میں جم گئے اور اپنے آقا پر جان نثار کرنے لگے۔ غرضیکہ راجہ صحیح وسلامت چتوڑ پہنچ گیا اور اس ملک میں مسرت کا غلغلہ بلند ہوا۔ علاءالدین عرصہ دراز کی محنت سے جو رائیگاں گئی آزردہ خاطر ہوا اور ناکام دہلی واپس آیا۔ قلیل مدت کے بعد بادشاہ کے دل میں بار دگر اسی خیال نے جگہ کی اور اس نے دوبارہ لشکر کشی کی لیکن اس مرتبہ بھی ناکام واپس آیا۔ راول علاءالدین کے ان حملوں سے بے حد پریشان ہوگیا اور اس نے ارادہ کیا کہ کسی طرح بادشاہ سے ملاقات کر کے دوستی کی راہ و رسم پیدا کرے اور ان جانگداز جھگڑوں سے نجات پائے۔ ایک کمینہ فطرت راہ بر راجہ کا راہنما تھا اور راجہ نے سات کوس کے فاصلے پر بادشاہ سے ملاقات کی۔ راجہ نامرادی کے عالم میں قتل کیا گیا اور

ارکین دربار نے اس جانکاہ واقعہ کے بعد راجہ کے ایک عزیز راول رامی کو مسند حکومت پر بٹھایا۔ بادشاہ نے پلٹ کر چتوڑ کا محاصرہ کیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ اس نے حریف کا مقابلہ کیا لیکن میدان جنگ میں کام آیا اور تمام خواتین حرم نے آگ میں جل کر اپنے کو راکھ کا ڈھیر کر دیا۔" (آئین اکبری جلد سوم۔ مترجم مولوی محمد فدا علی طالب۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ص ۹۶۸۔ ۹۶۹)

کرنل ٹاڈ کا بیان راجستھان میں پدمنی کا قصہ بے حد مقبول ہے۔ میواڑ کی روایت جو اس کہانی کو تسلیم کرتی ہے۔ بہت قدیم ہے۔ کہتے ہیں کہ بھاٹوں میں یہ قصہ مشہور تھا۔ بھاٹوں نے کسی زبانی روایت پر اس کی بنیاد رکھی تھی اور پھر انہیں بھاٹوں نے وقت کے گزرنے کے ساتھ اس قصے میں تبدیلیاں کیں اور اسے راجپوتوں کی آن، شجاعت اور غیرت کے مطابق مزید واقعات کے اضافے کیے۔ بقول کلب مصطفیٰ:

> "اکبر اعظم کے چتوڑ پر فوج کشی کے سلسلے میں جب بدادت راجپوت راجاؤں کے کیشروں (بھاٹوں) کے ہاتھ لگی تو انہوں نے واقعات کی بنا پر نہیں بلکہ خوشامد اور تملق کی آڑ میں ملک صاحب کی زبان سے سنی ہوئی کہانی پر خوب خوب حاشیے چڑھائے اور اسے مبالغہ آمیز طریقے پر بطور واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ یہ کہانی اسی زبان میں تھی جسے وہ بولتے اور سمجھتے تھے۔ اس لیے وطنیت اور قومیت کے جذبات بھڑکانے میں بھی اس قصے سے خاصی مدد لی جانے لگی۔" (ملک محمد جائسی۔ ص ۱۱۰)

ممتاز انگریز مورخ کرنل جیمس ٹاڈ نے راجپوتوں کی روایت کی بنیاد پر انگریزی زبان میں ANNAL AND ANTIGUITIES OF RAJASTHAN کے نام سے جو تاریخ لکھی ہے اس میں پدمنی اور علاءالدین کے قصے کو اس طرح بیان کیا ہے:

"۱۱ وکرم سمبت ۱۳۳۱ میں 'لکھمی سی' چتوڑ کی گدی پر بیٹھا۔ لکھمی سی کی کم سنی کی وجہ سے اس کا چچا 'بھیم سی' اس کے ولی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ بھیم سی کی شادی سنہل کے چوہان خاندان میں راجا ہمیر کی لڑکی پدمنی سے ہوئی تھی جو حسن و جمال میں آپ اپنی نظیر تھی۔ پدمنی کے حسن کا چرچا سُن کر علاء الدین نے چتوڑ پر فوج کشی کی اور لڑائی چھڑ گئی۔ دوران جنگ میں بادشاہ نے کہلوا بھیجا کہ اگر مجھے پدماوتی کے درشن ہو جائیں تو میں دلی پلٹ جاؤں۔ اس پر یہ طے ہوا کہ علاء الدین پدمنی کا عکس دیکھ سکتا ہے۔ اس قرارداد کے بعد لڑائی ختم ہو گئی اور علاء الدین پدمنی کی صورت دیکھنے کے لیے قلعہ میں گیا۔ قلعہ سے پلٹتے وقت راجہ بھیم سی بادشاہ پر اعتماد کرکے آخری پھاٹک پر پہنچانے آیا تھا کہ علاء الدین کے سپاہیوں نے جو پہلے ہی گھات میں لگے ہوئے تھے راجا کو قید کرکے شاہی خیموں میں نظر بند کر دیا اور اس طرح بھیم سی کو اپنے قبضہ میں کرکے اس کی رہائی کو پدمنی کے حصول پر منحصر کیا۔ راجہ کے قید ہو جانے کی خبر سُن کر سارے چتوڑ میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور پدمنی نے اپنے میکے کے دو نامور سرداروں یعنی گورا اور بادل سے اعانت طلب کی۔ گورا پدمنی کا چچا ہوتا تھا اور بادل اس کا چچا زاد بھائی۔ ان دونوں کی رائے کے مطابق علاء الدین کے پاس پیام بھیجا گیا کہ پدمنی آئے گی مگر رانیوں کی طرح۔ اس لیے تمام شاہی فوج ہٹا دی جائے اور پردے کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے اور یہ بھی کہلوا دیا کہ پدمنی کے ہمراہ بہت سی کنیزیں بھی ہوں گی اور اس کی سہیلیاں بھی اسے رخصت کرنے کے لیے ساتھ جائیں گی۔ چنانچہ سات سو پالکیاں علاء الدین کے خیمے کی طرف چلیں۔ ہر ایک پالکی میں ایک ایک راجپوت بیٹھا تھا۔ ہر پالکی اٹھانے والے چھ کہار تھے جو دراصل سپاہی تھے۔ یہ پالکیاں جب خیمے کے قریب پہنچیں تو قناتیں گھیر دی گئیں تاکہ

اندر سواریاں اُتار دی جائیں۔ شاہی محل میں داخل ہونے سے پہلے پدمنی کو اپنے شوہر سے ملنے کے لیے صرف آدھ گھنٹے کی مہلت دی گئی۔ بھیم سی کے لیے ایک تیز گھوڑا پہلے سے تیار تھا وہ اس پر سوار ہو کر اسی وقفے میں جو اسے اپنی بیوی سے ملنے کے لیے دیا گیا تھا گورا، بادل اور کچھ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چتوڑ گڑھ کے اندر پہونچ گیا۔ باقی راجپوت بھی ساتھ ہی ساتھ پالکیوں سے کود پڑے اور انہوں نے دیر تک شاہی فوج کو تعاقب سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ ایک ایک کرکے سب مارے گئے۔ پھر کیا تھا جب کوئی روک ہی نہ رہی تو شاہی فوج قلعے کے پھاٹک تک پہنچ گئی۔ پھاٹک پر خوب لڑائی ہوئی اور راجپوتوں نے گورا اور بادل کی سرکردگی میں خوب داد شجاعت دی۔ یہاں تک کہ شاہی لشکر ہزیمت پاکر دلی پلٹا۔ راجپوتوں کو اس لڑائی میں فتح تو ضرور ہوئی لیکن چتوڑ کے چیدہ بہادر سب قتل ہو گئے۔ ان میں گورا بھی تھا۔ بادل کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی مگر وہ بڑی دلیری سے لڑا اور صحیح و سلامت واپس بھی آیا۔ اپنے شوہر کی بہادری سے جان دینے کا حال سُن کر گورا کی بیوی ستی ہو گئی۔ اس شکست کے بعد سمبت ۱۳۳۶/ ۱۲۸۰ء میں علاء الدین نے چتوڑ پر پھر فوج کشی کی۔ اس لڑائی میں رانا کے گیارہ فرزند کام آئے، وہ خود بھی مارا گیا اور رانی پدمنی بھی ستی ہو گئی۔" (بحوالہ ملک محمد جائسی۔ ص ۱۲۱ تا ۱۲۴)

علاء الدین خلجی سے منسوب من گھڑت قصہ

خود پدماوت اور دیگر مورخوں کے بیانات میں جو اختلافات اور تضادات نظر آتے ہیں ان کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پدمنی اور علاء الدین کا قصہ فرضی، تخیلی اور من گھڑت ہے۔ کے ایس لال، مولوی ذکاء اللہ خاں، پروفیسر حبیب اور دیگر ممتاز مورخوں نے اس قصے کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا ہے۔

(۱) پدمنی، علاءالدین کے قصے کے فرضی ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ عہد علائی سے لے کر پدماوت لکھے جانے تک کسی مورخ یا تذکرہ نگار نے فارسی یا راجستھانی میں اس واقعہ کا ذکر تک نہ کیا۔ یاد رہے علاءالدین خلجی نے ۷۰۳ھ میں چتوڑ فتح کیا تھا اور اس کے ۲۴۴ برس بعد ۹۴۷ھ میں جائسی نے پدماوت لکھی۔

(۲) اس واقعہ کے فرضی اور من گھڑت ہونے کی دوسری بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم عصر مورخین، شعراء اور سیاحوں مثلاً عصامی، امیر خسرو، تاریخ محمدی، تاریخ مبارک شاہی، برنی، ابن بطوطہ وغیرہ نے پدمنی کے قصے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

خواجہ نظام الدین احمد نے "طبقات اکبری" میں اور مولانا عصامی دہلوی نے شاہنامہ موسوم بہ 'فتوح السلاطین' میں چتوڑ کی فتح کا ذکر تو کیا ہے لیکن پدمنی کے وجود کو فوج کشی کا سبب قرار نہیں دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حملے کو کوئی معاشقانہ اہمیت حاصل نہ تھی۔

(۳) امیر خسرو فتح چتوڑ کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے 'خزائن الفتوح' میں چتوڑ کی فتح کا مفصل بیان کیا ہے لیکن وہ بھی اس واقعہ کا ذکر جائسی کی طرح نہیں کرتے۔ ان کے بیان میں پدمنی کا ذکرہ تک نہیں ہے۔ اگر جنگ کی تہہ میں پدمنی کے حسن و جمال کی کشش کارفرما ہوتی تو امیر خسرو جیسا بے ریا شاعر اسے ضرور بیان کرتا۔

(۴) ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ چونکہ اس واقعے کے بیان کرنے میں سلطان کی توہین اور خفت تھی اس لیے ہم عصر مورخین نے اسے خلاف مصلحت قرار دے کر بیان ہی نہ کیا لیکن ضیاءالدین برنی کی 'تاریخ فیروز شاہی' عہد علاءالدین خلجی کے بہت عرصے بعد فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں لکھی گئی۔ اس میں علاءالدین خلجی کے جملہ نقائص اور عیوب پوست کندہ بیان کر دیے

گئے ہیں اگر پدمنی والا واقعہ سچ ہوتا تو اسے صاف صاف لکھ دینے میں تاریخ فیروز شاہی کے مصنف کو کیا تامل ہو سکتا تھا۔

(۵) جائسی نے چتوڑ کے راجا کا نام رتن سین اور اسے 'چوہان' بتایا ہے جبکہ علاءالدین کے زمانے میں چتوڑ کے راجہ کا نام رتن سین نہیں تھا اور نہ وہ 'چوہان خاندان' سے تعلق رکھتا تھا۔ علاءالدین کے زمانے میں چتوڑ میں 'سودیا' خاندان کی حکومت تھی۔ (پدماوت اردو ص ۵۰۱)

کھمان راسا کی لوک روایت میں علاءالدین خلجی کے ہم عصر چتوڑ کے راجا کا نام 'لکھم سی' اور اس کے چچا کا نام 'بھیم سی' آیا ہے (افسانہ پدمنی از محمد احتشام الدین دہلوی۔ ص ۱۴۶ بحوالہ پدماوت اردو۔ ص ۵۰۱)

لیکن کے ایس لال کے قول کے مطابق علاءالدین کے حملے کے وقت رانا رتن سنگھ حکمراں تھا جو رانا سمر سنگھ کا بیٹا اور بہادر چترا سنگھ کا پوتا تھا وہ تقریباً ۱۳۰۱ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک کتبہ بھی دستیاب ہوا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راول سمر سنگھ کا بیٹا رتن سنگھ ۱۳۰۳ء کے ابتدائی مہینوں میں علاءالدین کے حملے سے کچھ مدت قبل تخت نشین ہوا تھا (خلجی خاندان۔ ص ۱۱۵-۱۱۶)

(۶) ایک اور ثبوت یہ ہے کہ اس زمانے میں لنکا کا بادشاہ پراکرما بھوچہارم تھا جبکہ جائسی نے لنکا کے معاصر بادشاہ کا نام گوردھن اور کرنل ٹاڈ نے ہمیر بتایا ہے۔

(۷) اس قصے کے فرضی ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جائسی کا یہ بیان کرنا کہ علاءالدین اور رتن سین میں متواتر آٹھ سال تک جنگ ہوتی رہی۔ سراسر جھوٹ ہے۔ خزائن الفتوح اور تاریخ فیروز شاہی متفق ہیں کہ علاءالدین خلجی نے چتوڑ کو ایک ہی حملے میں فتح کر لیا تھا۔ (خزائن الفتوح۔ ص ۴۹)

تاریخ فیروز شاہی میں صرف اسی قدر مذکور ہے کہ "سلطان علاء الدین پھر لشکر لے کر چتوڑ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے چتوڑ کا محاصرہ کیا اور جلد ہی اس کو فتح کر لیا اور شہر میں واپس آگیا۔" (تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ مترجم معین الحق۔ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۴۴۰)

(۸) ممتاز مورخ کے ایس لال، فرشتہ اور حاجی الدبیر کے بیانات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "فرشتہ کو اس بات کا یقین نہیں کہ پدمنی رتن سین کی بیوی تھی یا بیٹی۔ وہ لفظ 'زن' لکھتا ہے۔ اسی طرح فرشتہ نے ۱۳۰۴ء کے واقعات کے بیان میں خضر خاں کے چتوڑ کو خالی کرنے کا ذکر کیا ہے جبکہ یہ غلط تاریخ ہے۔ خضر خاں نے چتوڑ ۱۳۰۴ء کے بہت بعد چھوڑا تھا۔" (خلجی خاندان ص ۱۲۱-۱۲۲)

دوسرا مورخ حاجی الدبیر رتن سنگھ (رتن سین) کا نام سرے سے نہیں لیتا اور پدمنی کا ذکر ایک ایسی عورت کے طور پر کرتا ہے جو بعض خوبیوں کی مالک تھی اور کوئی خاص شخصیت نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ کہتا ہے کہ رائے (رتن سین) کو دہلی میں مقید نہیں رکھا گیا تھا۔ حاجی الدبیر کو اس بات کا بھی یقین نہیں ہے کہ پدمنی کا مطالبہ چتوڑ کی تسخیر سے قبل کیا گیا تھا یا سلطان کے ہاتھوں میں رتن سنگھ کے قیدی بن جانے کے بعد۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ خضر خاں کے نام کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ ان متضاد بیانات سے یہ قصہ تاریخی کم اور افسانہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ (ایضاً۔ ص ۱۲۳)

(۹) پالکیوں کی تعداد کے بارے میں بھی ان تاریخوں میں اختلاف ملتا ہے۔ جائسی کے یہاں سولہ سو، فرشتہ کے یہاں سات سو اور حاجی الدبیر کے یہاں صرف پانچ سو پالکیاں ہیں جو دہلی گئی تھیں۔ جائسی اور فرشتہ کہتے ہیں کہ رتن سین کو دہلی میں قید کیا گیا تھا جبکہ حاجی الدبیر کا خیال ہے کہ وہ کبھی دہلی نہیں گیا۔ وہ محافظ دستوں کی نگرانی میں اپنے ہی علاقے میں قیدی بنا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔

تاکہ پدمنی کو علاء الدین کے پاس جانے پر آمادہ کرے۔ رتن سین کی رہائی کا منصوبہ کس نے بنایا تھا اس بارے میں بھی اختلاف ملتا ہے۔ جائسی کے مطابق وہ رانی پدمنی تھی۔ فرشتہ کے بقول وہ رتن سین کی بیٹی تھی اور حاجی الدبیر کے مطابق وہ خود رانا (رتن سین) تھا جس نے فرار کا عجیب و غریب منصوبہ بنایا تھا۔ ایک اور اختلافی پہلو یہ ہے کہ جائسی بادشاہ کو پدماوتی کا عکس آئینے میں دکھلانے کو حسن اتفاق بتاتا ہے مگر دیگر مورخین نے اسے شرط صلح بتایا ہے۔ یعنی مورخوں نے پدماوتی کے چہرے کو آئینے میں راجا کی رضامندی سے دکھائے جانے کا افسانہ جوڑ دیا جو رتن سین جیسے غیرت مند راجپوت راجہ کے کردار سے ذرا بھی میل نہیں کھاتا۔

علاء الدین کا کردار

پدمنی کے قصہ میں سلطان علاء الدین خلجی کو ایک ظالم، جابر اور بوالہوس بادشاہ بتایا ہے۔ دراصل علاء الدین ایک بہادر اور سخت حکمراں ضرور تھا، لیکن اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک بھی تھا۔ بقول کلب مصطفےٰ:

"دہلی کے کوتوال علاء الملک کی نصیحت کا یہ اثر ہوا تھا کہ سلطان علاء الدین جو شراب کا عادی تھا اس نے شراب پینا چھوڑ دیا اور اپنی سلطنت کے حدود میں شراب بندی کا حکم نافذ کر دیا۔ بقول فرشتہ بادشاہ نے اول اپنا عیش خانہ یعنی مجلس شراب بالکل برطرف کر دی۔ اپنے نفیس نفیس شرابوں کے خم کے خم دروازے کے آگے لنڈھوا دیے اور مے کشی کے آلات و ظروف طلاء و نقرہ سب گلا کر ان کے روپے اشرفیاں ڈھال لیں۔" (ملک محمد جائسی۔ ص ۱۱۸-۱۱۹)

علاء الدین خلجی عیاش نہیں تھا۔ اس نے کبھی غیر کی زوجہ کو بری نظر سے نہیں دیکھا۔ وہ ایسے لوگوں کا جو دوسروں کی بیویوں کو تاکیں سخت دشمن تھا۔ ایسا دشمن کہ زانی کو اس نے خصی کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی میں قاضی مغیث الدین سے علاء الدین نے

جو گفت گو کی ہے اس سے علاء الدین کی بلند کرداری کا پتہ چلتا ہے۔ گفتگو سننے کے قابل ہے ملاحظہ ہو:

" باہم چو تو نیز مسلمانیم و مسلمان زادہ ایم۔ ایں کہ سیاست ہائے عظیم فرمانم ملک آرام می گیرد۔ مردم براہ مستقیم نمی آید۔ چوں فساق و فجار در زنا حریص اند بزجر و ضرب و قید و حبس ممنوع نہ شوند بواسطہ عبرت باآں کہ نامشروع است زانی را خصی می کنم و اذاں کہ قصد و نیت من رفاہیت خلق اللہ است۔ امید وارم کہ حق سبحانہ و تعالیٰ گناہم بہ بخشند و در توبہ نیز کشادہ است"

علاء الدین ایسے بادشاہوں میں سے نہ تھا جو رعایا کو تو ارتکاب جرم سے منع کرے اور خود اس فعل کا مرتکب ہو۔ اس لیے علاء الدین پر یہ الزام عائد کرنا کہ اس نے پدمنی (غیر کی زوجہ) کو حاصل کرنے کے لیے چتوڑ پر فوج کشی کی تھی سراسر بے بنیاد ہے۔ اس کے اعلیٰ کردار سے میل نہیں کھاتا۔ یہ قصہ ایک فرضی داستان ہے، افسانہ ہے، جائسی کے زور تخیل کا نتیجہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ سچ ہے کہ پدمنی اور علاء الدین کے معاشقہ کا قصہ راجستھان کے لوک گیتوں میں ملتا ہے۔ یہ روایت قدیم ہے اور عوام و خواص میں اسے مقبولیت بھی حاصل ہے لیکن کسی روایت کا تاریخی ہونا اور عوامی مقبولیت حاصل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ امر واقعہ بھی ہوگا۔ کے ایس لال کہتے ہیں:

" بلاشبہ روایت ایک تاریخی ماخذ ہے لیکن وہ یقیناً سب سے کمزور ماخذ ہے۔ جب تک اس کی تصدیق معاصر شہادت خواہ ادبی، تاریخی کتبے کی ہو یا سکوں کی ہو نہ ہو جائے وہ صحیح تسلیم نہیں کی جا سکتی ۔۔۔۔ محض اس بنا پر کہ وہ مقبول تھی اور اتنے طویل عرصے سے

مقبول تھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ یہ کہنا کہ جہاں اتنا کچھ کہا گیا ہے کچھ نہ کچھ تو صحیح ہوگا، ایک مورخ اسے قبول نہیں کر سکتا" (خلجی خاندان۔ ص ۱۲۵-۱۲۶)

دراصل جائسی نے تاریخ نہیں لکھی تھی، پدماوت ایک تمثیلی مثنوی ہے اور انہوں نے اس میں جو قصہ بیان کیا ہے وہ سراسر تخیلی (LMAGINARY) ہے، فرضی ہے۔ سید کلب مصطفیٰ کہتے ہیں کہ خود جائسی نے اسے فرضی کہا ہے۔ جائسی کہتے ہیں کہ:

" قصہ کہانی کہنا ایسا ہی ہے جیسے دہی میں اسے متھ متھ کر مکھن نکالنا ورنہ کہاں کی رانی اور کہاں کا راجہ یعنی کہاں رانی پدمنی اور کہاں علاء الدین کا اس کے حسن پر فریفتہ ہو کر چتوڑ پر حملہ کرنا" (ملک محمد جائسی ص ۱۱۷-۱۱۸)

مثنوی 'پدماوت' کے آخر میں جائسی نے خود اس قصے کے تمثیلی ہونے کی وضاحت اس طرح کی ہے:

" اس رزمیہ میں چتوڑ کا مطلب جسم ہے اور راجہ (رتن سین) کا دماغ، سنہل دیپ دل ہے، پدمنی سے عقل، ناگ متی سے دنیاوی معاملات مراد ہیں۔ جس کسی نے اس پر تکیہ کر لیا وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ راگھو عامل۔ ایک پاجی (شیطان) تھا۔ سلطان علاء الدین مایا (ہوس) ہے۔ اس رومانی کہانی کو اس پس منظر میں دیکھو اور اگر اسے سمجھ سکو تو سمجھو" (جائسی گرنتھاولی، پدماوت ص ۳۴۱۔ بحوالہ خلجی خاندان۔ ص ۱۲۴)

ان تمام تاریخی شواہد کی روشنی میں پدمنی کے واقعے کو سلطان علاء الدین خلجی سے منسوب کرنا غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس واقعہ میں بقول ایس کے لال:

" کہانی کے روایتی قصوں کو نظر انداز کرنے کے بعد ٹھوس حقائق یہ ہیں کہ علاء الدین نے ۱۳۰۳ء میں چتوڑ پر حملہ کیا اور تقریباً آٹھ ماہ کی سخت جنگ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔

(باقی)

بہادر راجپوت سپاہی حملہ آوروں سے لڑ کر مر گئے اور دلیر راجپوت عورتیں جوہر کے شعلوں میں بھسم ہوگئیں۔ جو عورتیں جل کر ہلاک ہوئیں ان میں غالباً رتن سنگھ کی ایک رانی تھی، جس کا نام پدمنی تھا۔ ان حقائق کے سوا اور سب کچھ من گھڑت افسانہ ہے جو تاریخی تصدیق سے عاری ہے۔" (خلجی خاندان۔ ص ۱۲۵ - ۱۲۶)

واقعہ کا غیاث الدین خلجی سے منسوب ہونا

بعض محققین نے ثابت کیا ہے کہ "پدمنی کے لیے چتوڑ پر حملہ کرنے والا علاء الدین خلجی نہیں بلکہ مالوہ کا حاکم غیاث الدین خلجی تھا۔ محمد احتشام الدین لکھتے ہیں:

"پدماوت کے قصے میں کوئی صداقت ہے تو یہ واقعہ سلطان غیاث الدین خلجی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ غیاث الدین خلجی (علاء الدین خلجی کے دو سو برس بعد) ملک مالوہ میں گزرا ہے اس کے حدود سلطنت چتوڑ کی ریاست سے ملے ہوئے تھے اور اکثر باہم لڑائی رہتی تھی۔"

(افسانۂ پدمنی۔ ص ۱۳۱)

فرشتہ کا بیان ہے کہ غیاث الدین خلجی خوبصورت عورتوں کا بے حد شوقین تھا۔ ہزارہا حسین عورتیں اس کی خدمت میں حاضر رہتیں پھر بھی سلطان کو حسرت تھی کہ جیسے حسن اور عورت کو اس کا جی چاہتا ہے وہ میسر نہیں۔ اس میلان کے پیش نظر سلطان سے بعید نہیں کہ اس نے حسین تر عورت (پدمنی) کی جستجو میں چتوڑ پر دھاوا بول دیا ہو۔

غیاث الدین خلجی اور خاندان چتوڑ کے مابین جنگ کی تصدیق اکنگا جی کے ایک ہندی کتبے سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۸۸ء میں سلطان غیاث الدین نے "بادل گورا" سے شکست کھائی تھی۔ یہ بادل گورا نامی راجپوت سردار وہی ہیں جن کا ذکر مثنوی پدماوت میں ملتا ہے۔ پدمنی کے واقعے کو غیاث الدین خلجی سے منسوب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رتن سین

نام کا راجہ اس زمانے میں چتوڑ کا حکمراں تھا۔ یہ رانا سانگا کا فرزند تھا۔ اغلب ہے کہ اسی رتن سین سے غیاث الدین خلجی کے معرکے رہے ہوں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیاث الدین خلجی ہی کی حسن پرستی کے واقعہ پر جائسی نے اپنی مثنوی کی بنیاد رکھی ہو۔ یہ واقعہ جائسی کے اپنے زمانے سے قریب تھا اور اس سے جائسی کا متاثر ہونا بعید از قیاس نہیں۔

اس طرح یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ جاتی ہے کہ جائسی کی پدماوت میں بیان شدہ قصہ پدمنی کا تعلق علاء الدین خلجی سے قطعی نہیں ہے۔ یہ تاریخ کا ایک سفید جھوٹ ہے اور علاء الدین کو بدنام کرنا ہے۔

الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی

از محمد عارف عمری، رفیق دارالمصنفین۔

"الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی" عرصہ سے نایاب تھی اور اس کے نئے ایڈیشن کا تقاضا اہل علم کی جانب سے برابر ہو رہا تھا، نئی اشاعت کے وقت اس کی مراجعت و مقابلہ ضروری تھا۔ یہ کام مولوی محمد عارف عمری رفیق دارالمصنفین نے انجام دیا، اسی سلسلے میں ان کو یہ مضمون لکھنے کا خیال ہوا تاکہ کتاب کی تصنیف کا محرک اور اس کی خصوصیات اور خوبیاں سامنے آجائیں۔" (ض)

دارالمصنفین کے موسس علامہ شبلی نعمانیؒ کی مایہ ناز عربی کتاب "الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی" ہے جو مصر میں اقامت گزیں بیروت نژاد عیسائی مورخ و ادیب جرجی زیدان کی کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" پر نقد و تبصرہ اور اس کی علمی خیانتوں اور دسیسہ کاریوں کی پردہ دری پر مشتمل ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جرجی زیدان اور اس کی کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ

"مصنف چونکہ عیسائی تھا اس لئے اس نے اپنے قلم سے اس میں اسلامی تمدن کی صورت بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، مگر ایسے اسلوب سے اس کو دکھایا ہے کہ بظاہر وہ حسن نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس میں کوئی نہ کوئی عیب چھپی ہوتی ہے۔"[1]

۱؎ حیات شبلی ص ۵۷۸، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

تاریخ التمدن الاسلامی جو پانچ جلدوں میں ہے مستشرقین کے حلقہ میں بہت مقبول ہوئی، پروفیسر مارگولیوتھ نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کے اثر سے اس کتاب کے خیالات کی اشاعت نہایت وسیع پیمانہ پر ہوئی، جرجی زیدان نے مصر کی وزارت تعلیم کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ اس کو نصاب تعلیم میں جگہ دی جائے مگر بعض علماء کی مخالفت کے سبب یہ تجویز مسترد ہوگئی۔[1]

مولانا شبلی اور جرجی زیدان اس کتاب کی تالیف سے پہلے سے ایک دوسرے سے متعارف تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی تصریح کے مطابق دونوں میں خط و کتابت تھی اور جرجی زیدان کے مشہور رسالہ الہلال میں مولانا شبلیؒ کے مضمون نکلتے تھے۔[2]

تاریخ التمدن الاسلامی کی تالیف میں جرجی زیدان کو مولانا شبلی نعمانی کی تحریروں سے کافی مدد ملی جس کا اعتراف بھی اس نے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

فاذا رأينا فی كتب الافرنج مآثر	یورپین کتابوں میں عربوں کے جو
منسوبة الی العرب لم نجد لها	قابل فخر واقعات بیان ہوئے ہیں
ذكرا فی كتبهم ضعفت ثقتنا فی	ان کا سراغ مجھ کو اصل عربی ماخذ
صحتها اذ قد تكون منقولة عن	میں نہیں ملتا تھا، جس کی بنا پر اس کی
بعض الرحالات الافرنجية	صحت مجھ کو مشکوک معلوم ہوتی تھی
فی العصور الوسطی واكثرها	کیونکہ یہ واقعات عہد وسطی کے یورپین
يحتاج الی تمحيص	سفرناموں سے ماخوذ ہیں اور اکثر
ووقفنا علی كتاب فی اللغة	واقعات محتاج تحقیق ہیں

۱؎ مجلہ المنار جلد ۱۵ عدد ۱، جنوری ۱۹۱۲ء ۲؎ مقدمہ حیات شبلی، ص ۵۷ ۔

الهندوستانية (الاردية)	مجھ کو اردو زبان میں لکھی ہوئی مولانا
للنعمانی سماہ "رسائل شبلی"	شبلی کی کتاب "رسائل شبلی" دستیاب
ذکر فیہ فصولاً فی مدارس	ہوئی، جس میں مستند حوالوں کے ساتھ
العرب و مارستانهم ومكاتبهم	عرب کے مدارس، شفاخانے، کتبخانے
وکتبهم ذیلها بالاسناد وهو	اور عربوں کی تصنیفات کا ذکر متعدد
کتاب جلیل و بعد الاطلاع	فصلوں میں ہے، درحقیقت یہ ایک
علی آراء العلماء و ابحاثهم	عظیم الشان کتاب ہے، اس کے واسطے
فی هذا الموضوع رجعنا	سے اس موضوع پر علماء کی آراء و اقوال
الی المصادر العربية فتفحصناها	کو پڑھ کر جب میں نے اصل آخذ کی طرف
بامعان وتدقيق فعثرنا فيها	رجوع کیا اور دقت نظر سے واقعات
علی ما ادهشنا من ضخامة	کی جستجو کی تو مجھ کو حیرت انگیز تمدنی سرمایہ
ذلك التمدن خصوصاً فی	ہاتھ آیا، بالخصوص علم و ادب کے میدان
العلم والادب مما سنتراه	میں عربوں نے جو کارہائے نمایاں انجام
مفصلاً فی هذا الجزء [1]	دئے ہیں، کتاب کا یہ حصہ اسی کی تفصیل
	پر مشتمل ہے۔

غرض جرجی زیدان نے مولانا شبلی ہی کی تحریروں کی روشنی میں اصل عربی ماخذ تک رسائی حاصل کی مگر اس نے کذب و خیانت سے کام لیا اور روایات کے نقل میں تحریف و تلبیس اور غلط استدلال کے ذریعہ اسلامی تمدن کو مسخ کر کے اس کی بدنما تصویر کھینچی ہے جس میں اس کے

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ مطبعۃ الہلال، مصر ۱۹۰۴ء مقدمہ۔

مذہبی تعصب کا غیر معمولی دخل ہے۔

مولانا شبلی نے شروع میں سرسری طور پر اس کو متنبہ کیا، غالباً ان کو یہ خیال رہا ہو گا کہ مصنف نے عمداً نہیں بلکہ سہو و نسیان کی بناء پر یہ غلطیاں کی ہیں، چنانچہ لکھا کہ وہ حوالے درج کرنے کا بالالتزام اہتمام کریں، جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی کی دوسری جلد کے مقدمہ میں اسی سے متعلق مولانا شبلی کا ایک مکتوب درج کیا ہے اور تیسری جلد کے مقدمہ میں یہ صراحت کی ہے کہ اس نے مولانا کے مشورہ پر عمل کیا ہے۔ لکھتا ہے:

وهذا ما نبهنا اليه صديقنا	ہم کو ہمارے ہندی نژاد عالم دوست
النعمانی العالم الهندی فی کتابه	شبلی نعمانی نے جن کے مکتوب کا خلاصہ
الذی نشرنا خلاصته فی مقدمة	ہم نے پچھلی جلد کے مقدمہ میں درج کیا
الجزء الماضی اذ اقترح علینا	ہے یہ توجہ دلائی تھی کہ ہم حوالے میں
ان نذيل صفحات كتابنا هذا	آخذ کے صفحات کی صراحت التزاماً
بالمآخذ التی تنقل عنها وقد	کریں، چنانچہ ہم نے اس جلد میں اس پر
اطعناه..... [1]	عمل کیا۔

مولانا شبلی نے براہ راست جرجی زیدان کو متنبہ کرنے کے ساتھ اس کے مکر و فریب کی تردید کے لئے ایک دو مضمون مولانا سید سلیمان ندوی سے بھی لکھوائے جس کی تفصیل خود سید صاحب کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں۔

" برلن سے ایک مصری فاضل ڈاکٹر محمود لبیب کا خط ۱۹۰۵ء میں مولانا کے نام آیا، جس میں مولانا سے اسلامی آلات پر ایک رسالہ کی نسبت سوال تھا۔ مولانا نے بہت

[1] تاریخ التمدن الاسلامی۔ ج ۳ مقدمہ

دن ہوئے وہ رسالہ ایڈیٹر الہلال کے پاس مصر بھیج دیا تھا مولانا نے ان کو جرجی زیدان
کے نام ایک رقعہ لکھ کر بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ اس رسالہ کو وہ ڈاکٹر صاحب کے
حوالہ کردیں، اسی تقریب سے مولانا نے اس خط میں جرجی زیدان کی ابلہ فریبیوں
اور دسیسہ کاریوں پر بھی کچھ سطریں لکھی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں
برلن سے ۱۱ راگست ۱۹۰۸ء کو ایک طویل خط لکھا جس میں مولانا کی تائید تھی اور اس کی
تصنیفات کا راز فاش کیا تھا، یہ خط مزید تحریک کا باعث ہوا لیکن اس وقت مولانا کو
فرصت نہ تھی، اس لئے مجھ کو اشارہ ہوا اور میں نے ایک مختصر مضمون جرجی زیدان کی
تصنیفات کی غرض وغایت اور قدر وقیمت پر لکھا جو اکتوبر ۱۹۰۸ء کے الندوہ میں شائع
ہوا۔ پھر اگست ۱۹۱۰ء کے الندوہ میں اس کی تمدن اسلامی کے اس باب کا جو کتب خانہ
اسکندریہ پر ہے ۔۔۔۔ جواب لکھا۔[1]

۱۹۱۰ء میں جرجی زیدان کی یہ کتاب مکمل ہوجانے پر جب ان کی اصل تصویر پورے
طور پر مولانا شبلی کے سامنے آگئی تو انہوں نے ان کی تصنیف کا مکمل جائزہ لینے کا عزم کیا
اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ پروفیسر مارگولیوتھ کے انگریزی ترجمہ کے اثر سے اس
کتاب کے خیالات کی گونج ہندوستان میں بھی سنائی دینے لگی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی
کا بیان ہے کہ:

" ڈاکٹر یوسف ہارویز کی تجویز سے اس عربی کتاب کا کچھ حصہ ہمارے صوبہ کے
مولوی فاضل کے امتحان میں رکھا جانے لگا، دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مارگولیوتھ نے
اس کتاب کا جب انگریزی میں ترجمہ کیا تو اسی زمانہ میں ٹائمس نے ایک مضمون لکھا

۱؎ حیات شبلی ص ۵۷۸،۵۷۹۔

کہ حضرت عمرؓ کا کتب خانہ اسکندریہ کو جلانا ثابت ہے جیسا کہ جرجی زیدان نے اس کو
تمدن اسلام میں جدید دلائل سے ثابت کردیا ہے"۔[1]

ان واقعات نے مولانا شبلی کو برافروختہ کردیا، اس وقت وہ باوجودیکہ دارالعلوم ندوۃ العلما
کے کاموں میں پوری طرح منہمک تھے مگر انہوں نے تمام ضروری قومی کاموں کو کچھ دنوں کے
لئے پس پشت ڈال کر تاریخ التمدن الاسلامی کا مفصل ناقدانہ جائزہ لیا۔ مولانا سید سلیمان
ندویؒ نے الانتقاد کی تالیف کا چشم دید منظر ان الفاظ میں لکھا ہے:

" غالباً اگست ۱۹۱۱ء سے مولانا پورے انہماک کے ساتھ اس کام میں مصروف ہوئے
جو کئی مہینے تک جاری رہا، بیسیوں تصنیفات کے ہزار ہا صفحات جن کے حوالے اصل کتاب
میں تھے ان کو ملا ملا کر دیکھنا اور مختلف ایڈیشنوں کو تلاش کرنا اور ان میں مصنف
کے دیئے ہوئے حوالوں کو ڈھونڈنا آسان کام نہ تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ اور برسات
(ستمبر) کی امس اور حبس مولانا روزہ رکھ کر اسی طرح کتابیں دیکھنے پڑھنے اور لکھنے
کی محنت اٹھاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آنکھ میں پانی اتر آیا اور اس کی بینائی گویا
جاتی رہی، اس پر بھی کام جاری رہا اور اس کو تمام کرکے چھوڑا"۔[2]

الانتقاد کی تالیف میں مولانا سید سلیمان ندوی کی معاونت

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا شبلی کی رہنمائی میں تاریخ التمدن الاسلامی کی تردید
وتنقید پر الندوہ میں دو مضمون لکھے، اسی طرح الانتقاد کی تالیف میں بھی انہوں نے اپنے استاد
کی معاونت کی، وہ لکھتے ہیں:

" راقم کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کتاب میں بنو امیہ کی علمی سرپرستی کا جواب

۱؎ حیات شبلی ص ۵۷۹ ۲؎ ایضاً ص ۵۸۰۔

طبع ہند کے صفحہ ۴ سے ۵۲ تک ہے[1] حضرۃ الاستاد کے اشارہ سے اس شکستہ رقم کے قلم سے نکلا ہے"[2]

الانتقاد کی اشاعت تاریخ التمدن الاسلامی کا اثر چونکہ وسیع پیمانہ پر پھیل چکا تھا اس لئے مولانا شبلی نے اس کی تردید و تنقید کی اشاعت میں خاص طور سے بڑا اہتمام کیا پہلے لکھنؤ کے ایک پریس "آسی" میں ۱۹۱۲ء میں اس کی طباعت کرائی اور ساتھ ہی اس کے اجزاء مصر سید رشید رضا ایڈیٹر المنار کے پاس بھیجتے رہے جو المنار کی کئی قسطوں میں مسلسل طبع ہوئے اور بعد میں سید رشید رضا نے اس کو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شایع کیا، علاوہ ازیں اس تنقید و تردید کا اردو خلاصہ بھی مولانا شبلی نے کیا اور اکتوبر ۱۹۱۱ء کے الندوہ میں اس کو شایع کیا۔

الانتقاد کی طباعت کے مرحلہ میں مولانا شبلی نے حسب معمول اپنے دوستوں اور اعزہ سے مدد لی، مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اس کتاب کے چھپوانے کا مرحلہ درپیش تھا کہ حکیم نورالدین صاحب نے قادیان سے اس کے لئے پچاس روپے بھیج دئے، باقی کے لئے انہوں نے اپنے دوستوں میں سے مولانا شیروانی، نواب مزمل اللہ خاں اور عزیزوں میں سے مولانا حمیدالدین کو لکھا اور خود مولانا نے بھی اپنا حصہ دیا اور کتاب چھپ کر شایع ہوئی"[3]

سید رشید رضا نے اپنے مجلہ المنار میں اس کتاب کو چھاپتے وقت اس کے آغاز میں ایک تمہید لکھی جس میں یہ اعتراف کیا کہ مصر میں جرجی زیدان کی تردید و تنقید کا فریضہ

---

[1] اس باب کا عنوان "نشر المعارف والعلوم" ہے اور دارالمصنفین سے شایع جدید ایڈیشن میں ص ۴۴ تا ۴۹ پر ہے [2] حیات شبلی ص ۵۸۱ [3] ایضاً ص ۵۸۱، ۵۸۲۔

بحسن و خوبی انجام نہیں پا سکا صرف مجلہ "المؤید" میں اس سلسلے کے چند مضامین نکلے البتہ مولانا شبلی نے پورے عالم اسلام کی جانب سے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا شیروانی کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ سید رشید رضا نے مولانا شبلی کو یہ لکھا کہ میں خود بھی تردید کرنا چاہتا تھا مگر جرجی زیدان کے مکائد اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ ان کو سمیٹ کر یکجا کرنا اور ان کی تردید کرنا قابو میں نہ آتا تھا۔ آپ نے اس پر قابو پالیا اور تردید کردی[1] سید رشید رضا نے المنار کی تمہید میں مولانا شبلی کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس تنقید سے نہایت مسرور و مطمئن تھے۔ لکھتے ہیں:

وقد انبری فی ھذہ الایام	اس وقت شیخ شبلی نعمانی جو علامہ وقت
الشیخ شبلی النعمانی العلامۃ المصلح	مشہور مصلح، جمعیۃ ندوۃ العلماء کے بانی
الشہیر مؤسس جمعیۃ ندوۃ	اور اس کے ترجمان رسالہ کے ایڈیٹر ہیں
العلماء فی الھند و محرر مجلتھا	انہوں نے تاریخ التمدن الاسلامی کی
الی الرد علی ھذا التاریخ وکتب	تردید لکھنی شروع کی ہے اور ہم کو یہ
الینا انہ یرید ان یرسل الینا	لکھا ہے کہ وہ اس کو لکھنؤ میں چھپوا
ما یکتبہ و یطبعہ من ھذا الرد	رہے ہیں اور اس کے مطبوعہ فارم وہ
بالتدریج لنشرہ فی المنار	ہمارے پاس بتدریج بھیجتے رہیں گے
کلما طبع منہ شیئاً فی لکناؤ الی	تاکہ ہم انہیں المنار میں چھاپ دیں،
ان یتم ولما کان الانتقاد من	ایسے عالم و مورخ کی تنقید درحقیقت
مثل ھذا العالم المؤرخ ھو مما لنا	ہمارا قیمتی علمی سرمایہ ہے اور صرف

---

[1] حیات شبلی ص ۵۸۱۔

وضالة صديقنا وصديقه	ہمارا ہی نہیں بلکہ ہمارے اوران کے
المؤلف بادرنا الى نشره۔[1]	دوست جرجی زیدان کا بھی۔ اس لئے
	ہم نے اس کو شایع کرنے میں عجلت کی۔

غرض الانتقاد کی طبع و اشاعت ہندوستان اور مصر دونوں جگہ بڑے اہتمام سے ہوئی اور اس کے مفید اثرات مرتب ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں:

"اس کتاب کی اشاعت نے ہندوستان اور مصر اور دنیائے اسلام کے دوسرے حصوں میں جہاں تک تمدن اسلامی کا زہر پھیلا تھا تریاق کا کام دیا اور ایک بڑے فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ والحمد للہ علی ذلک"[2]

الانتقاد کا جدید ایڈیشن ادھر ایک مدت سے الانتقاد علمی حلقوں میں نایاب تھی، صرف اس کا اردو خلاصہ جس کو مولانا شبلی نے "تمدن اسلام مصنفہ جرجی زیدان کی پردہ دری" کے عنوان سے لکھا ہے علما کی دسترس میں تھا، اس کو الندوہ سے نقل کر کے مقالات شبلی جلد چہارم میں شامل کرلیا گیا تھا مگر اصل عربی کتاب ہندوستان اور مصر دونوں ہی مقامات پر دستیاب نہیں تھی، اس کے برخلاف تاریخ التمدن الاسلامی کی اشاعت برابر ہوتی رہی ۱۹۶۰ء میں مطبعہ الہلال مصر نے اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن بھی شایع کیا جو ڈاکٹر حسین مونس (استاد تاریخ اسلام کلیہ آداب جامعہ قاہرہ) کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ طبع ہوا ہے۔ گو ڈاکٹر حسین مونس نے جرجی زیدان کی بہت سی باتوں کی تردید کردی ہے مگر دانستہ یا نادانستہ انہوں نے الانتقاد سے صرف نظر کیا ہے اور جرجی زیدان کی تاریخ التمدن الاسلامی کو منفرد اور عدیم المثال قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] مجلہ المنار محولہ بالا مقدمہ [2] حیات شبلی ص ۵۸۲۔

لم يولف احد من العرب فى	کسی عرب مصنف نے اب تک اس
الموضوع كتابا يشبهه الى الآن	موضوع پر ایسی کتاب نہیں لکھی۔۔۔
۔۔۔كان هذا الكتاب فريدا	یہ کتاب جب پہلی مرتبہ شایع ہوئی اس
فى بابه يوم صدر لاول مرة	وقت بھی اپنے موضوع کی منفرد کتاب
و لا زال فريدا فى بابه الى	تھی اور آج تک اس کی انفرادیت علی حالہٖ
اليوم[1]	برقرار ہے۔

اسی احساس کے پیش نظر دارالمصنفین نے الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی کی ازسر نو طباعت کا اہتمام کیا اور حال ہی میں یہ جدید ایڈیشن شایع ہوا ہے، جس کے آغاز میں سید رشید رضا کی تمہید کو بطور مقدمہ رکھا گیا ہے اور راقم الحروف کو مطبعہ آسی کے نسخہ کے ساتھ المنار کی فائلوں سے بھی اس کے متن کا مقابلہ کرنے اور اس علمی خدمت میں حصہ لینے کی سعادت میسر آئی۔

اسلوب بیان الانتقاد کا اسلوب بیان اور طرز ادا متقدمین کے طرز پر ہے، گو مولانا شبلی جدید عربی اسالیب سے بھی بخوبی واقفیت رکھتے تھے مگر انہوں نے اس کتاب میں قدمارہی کے اسلوب کی پیروی کی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ:

"اس رسالہ کی عربی تحریر بڑی انشاپردازانہ ہے، مولانا عربی تحریر میں جاحظ کے طرز کے پیرو تھے، جس زمانہ میں وہ یہ مضمون لکھ رہے تھے جاحظ کی بیان و تبیین اور کتاب الحیوان اکثر مطالعہ میں رہتی تھی"[2]

البتہ اس اظہار میں کوئی پردہ نہیں ہے کہ عرب و عجم کا فرق بہرحال اس کتاب میں

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی مقدمہ حسین مونس ج ا مطبعہ الہلال مصر ۱۹۶۸ء [2] حیات شبلی ص ۵۸۱

موجود ہے، چنانچہ سید رشید رضا نے مولانا شبلی کی بعض عبارتوں میں جو خالص عجمی تعبیر کی آئینہ دار تھیں ہلکا سا تغیر کر کے اس کو عربی اسلوب کے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

الانتقاد کے اہم مباحث

مولانا شبلی نے جرجی زیدان کی تاریخ التمدن الاسلامی کے بنیادی اغراض و مقاصد حسب ذیل گنائے ہیں۔

۱۔ عربوں کی تحقیر و مذمت۔

۲۔ خلفائے بنو عباسیہ و بنو امیہ کی طرف مذہب کی اہانت کا انتساب۔

۳۔ مسلمانوں پر عام اعتراضات۔

۴۔ عربوں کی جانب علم دشمنی اور کتب خانہ اسکندریہ کے احراق کی نسبت۔

مولانا شبلی نے الانتقاد میں انہی مباحث و نکات پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے، چنانچہ اردو خلاصہ میں وہ اس تنقید کے اغراض و اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم کو جن اسباب نے مصنف کی پردہ دری پر آمادہ کیا وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مصنف یہ کتاب عیسائی بن کر نہیں بلکہ مورخ بن کر لکھتا ہے اور اس حیثیت سے اس تصنیف کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کرتا ہے۔۔۔۔

۲۔ مصنف کا اصلی مقصد بنو امیہ کی برائیاں ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا روئے سخن عرب کی طرف ہے۔

۳۔ بنو امیہ کے پردہ میں مصنف نے قرن اول کے عام مسلمانوں کی ہر قسم کی برائیاں ثابت کی ہیں اس لیے ایسے اتہامات کا رفع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۴۔ جن باتوں نے اس کتاب کو تاریخی پایہ سے بالکل گرا دیا ہے یعنی تحریف و کذب اس کا سب سے زیادہ استعمال بنو امیہ کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے اس کی

طرف اعتنا کی زیادہ ضرورت تھی"[1]

مولانا شبلی الانتقاد میں انہی باتوں کو مذہبی جوش و غضب کے لہجہ میں یوں لکھتے ہیں:

ھل کنت ارضی بان تمدحنی و	اے جرجی زیدان کیا یہ بات میرے لیے
تھجو العرب فتجعلھم غرضا	پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ تم میری تو تعریف
لسھامک و دریۃ لرمحک ترمیھم	کرو اور عرب کی مذمت کرو، ان کو
بکل معیبۃ و شین و تعزو	اپنے تیروں کا نشانہ بناؤ اور ہر قسم کا
الیھم کل دنیۃ و شر حتی تقطعھم	عیب و شر ان کی جانب منسوب کرو،
اربا اربا و تمزقھم کل ممزق	اور ان کی مجد و شرافت کو پارہ پارہ کرو
وھل کنت ارضی بان تجعل بنی	کیا میں یہ برداشت کر سکتا ہوں کہ تم
امیۃ لکونھم عربا بحتا من	بنو امیہ کو محض ان کے خالص عرب ہونے
اشر خلق اللہ و اسوأھم	کی بنا پر بدترین مخلوق سے تعبیر کرو
یفتکون بالناس و یسومونھم	اور ان کے بارہ میں یہ کہو کہ وہ بد معاملہ
سوء العذاب و یھلکون	فسادی اور لٹیرے تھے، خانہ کعبہ کو
الحرث و النسل و یقتلون	ڈھانے والے اور قرآن کا مذاق اڑانے
الذریۃ و ینھبون الاموال	والے تھے، کیا یہ بات میرے لیے قابل
و ینتھکون الحرمات و یھدمون	ضبط ہو سکتی ہے کہ تم کتب خانہ اسکندریہ
الکعبۃ و یستخفون بالقرآن	کے جلائے جانے کی نسبت حضرت عمرؓ کی
وھل کنت ارضی بان تنسب	ذات گرامی کی طرف کرو جن کے عدل و

[1] مقالات شبلی ج ۴ ص ۱۶۰۔

حريق الخزانة الاسكندرية
الى عمر بن الخطاب الذى شهدت
بعدله الارض والسماء وهل
كنت ارضى بان تمدح بنى العباس
فتعد من مفاخرهم انهم
نزلوا العرب منزلة الكلب
حتى ضرب بذلك المثل وان
المنصور بنى القبة الخضراء
ارغاما للكعبة وقطع الميرة
عن الحرمين استهانة بهما
وان المامون كان ينكر نزول
القران وان المعتصم بالله
انشأ كعبة فى سامرا وجعل
حولها مطافا واتخذ منى و
عرفات [1]

انصاف کی گواہی زمین و آسمان دیتے
ہیں اور یہ بات بھی کم تکلیف دہ نہیں
ہے کہ تم خلفائے عباسیہ کی تعریف
محض اس وجہ سے کرتے ہو کہ تمہارے
خیال میں انہوں نے عربوں
کو ذلیل و رسوا کیا یہاں تک کہ ان کو
کتوں کے ہم پلہ قرار دیا اور یہ بات
ضرب المثل بن گئی اور یہ کہ خلیفہ عباسی
منصور نے خانہ کعبہ کی تحقیر کے جذبہ
سے قبہ خضراء کی تعمیر کرائی اور حرمین کی
تذلیل کی خاطر اس نے وہاں کا غلہ روک
دیا اور مامون نزول قرآن کا منکر تھا
اور معتصم نے سامرا میں ایک کعبہ بنوایا
تھا جس کے ارد گرد طواف کی جگہ اور
منی و عرفات کے نام سے مقامات بنائے۔

دور بنوامیہ اور جرجی زیدان جرجی زیدان نے اپنی کتاب میں دور بنوامیہ کو متہم و مجروح کرنے میں بڑا زور صرف کیا ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"مصنف کا سب سے بڑا مرکز نظر بنوامیہ کی ہجو و تحقیر ہے اس بحث میں اس نے

[1] الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی ص ۲ طبع جدید۔

جی کھول کر زور طبع صرف کیا ہے اور جس قدر کذب، تحریف، تمویہ، فریب، تدلیس، خداع، غلط بیانی کی قوت فطرت نے اس کو عطا کی تھی سب صرف کر دی ہے"۔[1]

ڈاکٹر حسین مونس نے بھی دبے لفظوں میں جرجی زیدان کے اس عیب کو تسلیم کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

كان هذا هو الرأى السائد
عن بنى امية ولكن البحث
الدقيق يبين ان بنى امية
لم يكونوا بهذه العصبية
للعرب [2]

بنی امیہ کے متعلق یہی عام خیال تھا
لیکن محققانہ بحث و تمحیص سے پتہ
چلتا ہے کہ بنو امیہ میں اس درجہ عربی
تعصب نہ تھا۔

مولانا شبلی کا بیان ہے کہ مصنف نے پوری امت عربیہ کے استہزاء و استخفاف کے لئے بڑا لطیف پیرایہ بیان استعمال کیا ہے۔ اس کا اصلی مقصد بنوامیہ کی برائیاں ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا روئے سخن عرب کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بنوامیہ کی تحقیر مصنف کا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ پوری امت عربیہ اس کے نشانہ پر ہے، چونکہ عمومی انداز بیان اختیار کرنے کی صورت میں شدید ردعمل ہو سکتا تھا اس لیے اس نے یہ عیاری کی کہ حق و باطل کو باہم گڈمڈ کر دیا چنانچہ اس نے مسلم عہد حکومت کے تین دور قائم کئے' عہد خلفائے راشدین' دور بنی امیہ اور دور بنو عباس۔ دور اول کی اس نے تعریف کی اسی طرح دور ثالث کی بھی اس نے محض دکھاوے کی خاطر مدح سرائی کی اور جب یہ محسوس کر لیا کہ خلفائے

[1] مقالات شبلی ج ۳ ص ۴۳ ۱۵ [2] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۲ ص ۲۳ تعلیق ڈاکٹر حسین مونس۔

راشدین جوکہ ہمارے مذہبی رہنما ہیں ان کی تعریف سے ہم مسلمان خوش ہوگئے، اسی طرح بنو عباس جن کے ساتھ مسلمانوں کا یہ جذباتی تعلق ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے ذریعہ سلطنت اسلامیہ اور تمدن اسلامی کو بے حد فروغ حاصل ہوا، ان کی تعریف سے بھی مسلمان مغالطہ میں آگئے۔ تب مصنف نے خوب بے باکی کے ساتھ دور بنو امیہ کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنایا کیونکہ اس کو اب یہ اطمینان ہوگیا کہ اس کو کوئی جانب دار اور متعصب نہ قرار دے گا، اس لئے اس نے بنو امیہ کی طرف ہر قسم کی برائی منسوب کی اور ان کو تمام خوبیوں سے عاری ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے[1]

جرجی زیدان نے نہایت شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب کا قومی غرور اور غیر قوموں کی تحقیر بنو امیہ کے زمانہ میں منتہائے کمال کو پہونچ گئی تھی، اس کے بقول عرب موالی کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ عرب میں کنیت مجد و شرافت کی علامت ہے چنانچہ عرب موالی کو محض ان کے نام و لقب سے پکارتے تھے اور نماز میں ان کے مدمقابل کھڑے ہونا بھی ان کو ناپسند تھا، ان کا یہ مقولہ تھا کہ تین چیزوں کے سامنے سے گزرجانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، گدھا، کتا اور مولی۔ حد تو یہ ہے کہ جسمانی بناوٹ میں بھی عرب اپنے آپ کو موالی سے فائق سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس بات کے مدعی تھے کہ اہل عرب پر فالج کا اثر نہیں ہوتا۔ جرجی زیدان نے خلفائے بنو امیہ پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ انہوں نے تمام اہم مذہبی عہدوں سے غیر قوموں کو الگ تھلگ رکھا، بلکہ وہ ان کے درپے آزار رہا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر ان کو

---

[1] الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی۔ ص ۳۔

قتل کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔

مولانا شبلی نے جرجی زیدان کے مذکورہ بالا الزامات نقل کرکے ان کی مدلل تردید کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس نے اپنے مزعومات کی عمارت جن بنیادوں پر قائم کی ہے وہ درحقیقت چند متعصب عربوں کے اقوال ہیں جن کو مصنف نے عموم کی حیثیت دے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جو شخص بھی عجم و عرب کی تاریخ سے واقف ہے اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ماقبل اسلام اہل ایران عرب کو نہایت ذلیل سمجھتے تھے ... اسلام نے عرب کو جب عجم کے ہم پلہ بنادیا بلکہ انہوں نے عجم کی سیادت بھی چھین لی تو عربوں کے لیے یہ فخر کا موقع تھا، مگر شریعت اسلامی میں اس قسم کے فخر و نخوت کی گنجائش نہیں تھی، ... تاہم عرب و عجم دونوں میں کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جن کے سینوں میں عداوت کے جذبات باقی رہے اور اسی نے بالآخر یہ شکل اختیار کی کہ دو مدمقابل گروہ پیدا ہوگئے۔ ایک گروہ شعوبیوں کا تھا جو عربوں کو حقیر سمجھتا تھا اور ان کی عیب جوئی میں لگا رہتا تھا۔ اس جماعت کے سرخیل ابو عبیدہ نے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں عرب کے تقریباً تمام ہی قبائل کے حسب و نسب کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ دوسرا گروہ متعصب عربوں کا تھا جو اس کے بالکل مدمقابل تھا۔ علامہ ابن عبد ربہ نے اپنی کتاب العقد الفرید میں ایک مستقل باب قائم کرکے ان دونوں گروہوں کے اقوال و دلائل جمع کردئے ہیں۔ چنانچہ متعصب عربوں کے انہی اقوال کو بنیاد بناکر مصنف نے عام عربوں کو مطعون و مجروح کیا ہے"[1]

ڈاکٹر حسین مونس نے بھی جرجی زیدان کی حمایت کے باوجود یہ تسلیم کیا ہے کہ موالی

---

[1] الانتقاد ص ۴-۵

کے ساتھ عام عرب کا رویہ ذلت و حقارت کا نہ تھا، وہ لکھتے ہیں:

لم یکن عامۃ العرب بھذا	موالی کے ساتھ عام عرب کا رویہ
الاحتقار للموالی وکل مایرو	حقارت کا نہ تھا۔ مبرد نے کامل میں
ابو العباس المبرد فی الکامل	اور ابن عبد ربہ نے عقد فرید میں
وابن عبد ربہ فی عقد الفرید	اس قسم کی جو روایتیں نقل کی ہیں
مبالغ فیہ وجدیر بالملاحظۃ	وہ مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں اور یہ
ان ھذین المولفین کانا	بات خاص طور پر اہمیت کی حامل
من الموالی[1]	ہے کہ یہ دونوں مصنف طبقہ موالی
	سے تعلق رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر حسین مونس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

والموضوع کلہ فی حاجۃ الی	یہ موضوع از اول تا آخر جدید تحقیق
دراسۃ جدیدۃ۔	و مطالعہ کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اگر الانتقاد کا مطالعہ کیا ہوتا تو شاید انہیں یہ بات کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔ انہوں نے کتاب الکامل اور العقد الفرید کی روایتوں کی توجیہ یہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں کتابوں کے مصنف طبقہ موالی سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں نقل کی ہیں، جب کہ مولانا شبلی نے الانتقاد میں کتاب الکامل کی ایک طویل عبارت نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ متعصب عربوں کے سوا عام عرب موالی کے ساتھ کس درجہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے[2]۔

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۲ ص ۲۳ موسسۃ دار الہلال [2] الانتقاد ص ۱۳ تا ۱۵۔

اور علامہ ابن عبد ربہ نے العقد الفرید کے صرف مخصوص باب میں اس قسم کی روایتیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی لکھتے ہیں:

اذا تصفحت الکتب یظھر لک	اگر کتابوں کا دقت نظر سے مطالعہ
ان الاقوال التی نسبھا الی العرب	کیا جائے تو یہ پتہ چلے گا کہ جن اقوال
عموماً انما ھی اقوال شرذمۃ	کو جرجی زیدان نے عام عربوں کی طرف
خاصۃ موسومۃ باصحاب	منسوب کیا ہے وہ درحقیقت چند
العصبیۃ وصاحب العقد	ایسے افراد کے اقوال ہیں جو متعصب
حیثما ذکر ھذہ الاقوال صدرھا	عرب کے لقب سے موسوم تھے چنانچہ
بقولہ قال اصحاب العصبیۃ	علامہ ابن عبد ربہ نے جس مقام پر یہ
من العرب۔ وانت تعلم ان	اقوال درج کئے ہیں اس کا عنوان ہی
ھذہ العصبیۃ لیست من کافۃ	انہوں نے "متعصب عربوں کے اقوال"
العرب ولا اکثرھا ولا عشر	رکھا ہے اور یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ
معشارھا فانک ستری ان	تعصب کا یہ ماحول سارے عربوں
ھولاء اناس شرذمۃ مغمورون	میں نہ تھا اور نہ ہی ان کی اکثریت اس
فی الناس ثم ان المؤلف ما	میں مبتلا تھی بلکہ متعصبین کی یہ جماعت
اقتنع بذلک بل ربما نسب	امت عربیہ کا عشر عشیر بھی نہیں تھی،
قول رجل معین معلوم الاسم	یہ چند افراد تھے جو عام لوگوں میں گھلے
الی العرب عامۃ فقال ناقلا	ملے ہوئے تھے۔
عن کتاب العقد وکانوا یکرھون	مصنف نے اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے،

ان یصلوا خلف الموالی
واذا سلوا خلفهم قالوا
انا نفعل ذلک تواضعاً لله
فان صاحب العقد نسب هذا
القول الی نافع بن جبیر
فاخذه المولف وجعله
قولاً عاماً للعرب وهذا
الصنیع اعنی تصییر الواقعة
الجزئیة هی اکبر الحیل التی
یرتکبها المؤلف لترویج باطله
بل هی قطب رحی تالیفه[1]

بلکہ بعض ایسے اقوال جو کسی متعین شخص
کے ہیں ان کو بھی عربوں کی طرف منسوب
کر دیا ہے، مثلاً صاحب عقد فرید کے
واسطہ سے ایک روایت یہ نقل کی
ہے کہ عرب موالی کی اقتدار میں نماز ادا
کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور اگر کبھی ایسا
اتفاقاً پیش آجاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہمارا
یہ عمل محض تواضع کی بنا پر ہے درحقیقت
صاحب عقد فرید نے اس کو بصراحت
نافع بن جبیر کا قول بتایا ہے جس کو
مولف نے عموم سے تعبیر کیا ہے واقعہ
یہ ہے کہ کسی جزئی واقعہ کو عام صورت
دے دینا مصنف کا سب سے بڑا ہتھیار
ہے اور اس کے ذریعہ اس نے اپنے
غلط مقاصد کی تائید فراہم کی ہے اور
یہی اس کتاب کا اصلی طرۂ امتیاز ہے۔

مولانا شبلی نے الانتقاد میں نہایت تفصیل سے یہ دکھایا ہے کہ بنو امیہ کے دور میں موالی کن کن بلند مناصب پر فائز تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

[1] الانتقاد ص ۷۔

اعلم ان البلاد التی کانت
عواصم الاقالیم وقواعدها
فی عصر بنی امیة هی مکة و
المدینة والبصرة والکوفة
والیمن ومصر والشام والجزیرة
وخراسان وکان لکل هذه
الاصقاع امام یقودهم
ویسود علیهم ..... وکل
هولاء غیر ابراهیم النخعی
کانوا من الموالی وبعضهم
ابناء الاماء ومع کونهم
اعجاما وکونهم اولاد الاماء
کانوا سادة الناس وقادتهم
تذعن لهم العرب وتحترمهم
خلفاء بنی امیة وولاة الامر[1]

بنی امیہ کے دور میں جو شہر مرکزی
حیثیت رکھتے تھے وہ مکہ، مدینہ،
بصرہ، کوفہ، یمن، مصر، شام، جزیرہ
اور خراسان تھے اور ان تمام شہروں
میں کوئی نہ کوئی مذہبی رہنما تھا جس کی
لوگ اطاعت کرتے تھے...... اور
ان تمام ائمہ میں ایک ابراہیم نخعی کو
چھوڑ کر سب کے سب موالی تھے،
یا لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے
بایں ہمہ وہ عامۃ الناس کے قائد
اور سردار تھے اور ان کی اطاعت
عرب بھی کرتے تھے اور خلفائے بنی امیہ
اور دوسرے ذمہ داران حکومت
بھی ان کا احترام کرتے تھے۔

اس بحث کے خاتمہ میں مولانا شبلی نے خلاصہ کلام کے طور پر یہ تحریر کیا ہے کہ:

ان اکرام الموالی کان من
دیدن العرب عامة وقریشها

موالی کے ساتھ عزت کا برتاؤ عربوں
اور بالخصوص قریش کی عادت تھی،

[1] الانتقاد ص ۹-۱۰۔

خاصة ـ لم يكن الاكرام	البتہ یہ ضرور ہے کہ چند متعصب
للموالي واكثرهم العجم عند	عربوں میں یہ چیز نہیں پائی جاتی تھی
جفاة العرب كما لم يكن الاكرام	اور اسی کے مدمقابل شعوبیوں
للعرب عند الشعوبية	کے یہاں عربوں کی تکریم کا مزاج
واكثرهم العجم كان نافع	نہ تھا۔ نافع بن جبیر اور اس جیسے
بن جبير وامثالهم من جفاة	متعصب عربوں کے اقوال کو بنیاد
العرب فلا يصح الاستدلال	بناکر موالی کی تحقیر و تذلیل کا الزام
باقوالهم على استحقار العرب	دینا درست نہیں ہے۔
للموالي والعجم [1]	(باقی)

[1] الانتقاد ص ۱۵۔

اخبار علمیہ

ایک عرصہ بعد ترکی کے مشہور علمی و تحقیقی ادارہ IRCICA کا ترجمان نیوز لیٹر دیکھنے کو ملا جس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ سال اس ادارہ نے فن خطاطی پر انگریزی زبان میں ایک نہایت عمدہ کتاب 'دی آرٹ آف کیلی گرافی ان دی اسلامک ہیریٹیج' شایع کی ہے، جو عربی، ترکی اور جاپانی زبانوں میں اس سے پہلے ہی شایع ہوچکی ہے۔ فن خطاطی اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین عطیہ و علامت ہے، اس کے ذریعہ الفاظ کے جمال اور معنوں کے حسن کا مظاہرہ ہوتا رہا، اس فن لطیف کی پاکیزگی اور اس میں مادہ و روح کے امتزاج نے اس کی نمو کو جلا بخشی جس کے مظاہر اندلس سے انڈونیشیا تک قرطاس و سنگ و خشت پر نہایت عجیب انداز میں نظر آتے ہیں، مذکورہ بالا کتاب میں اس قسم کے قریب دو سو نمونے یکجا کئے گئے ہیں۔ کتاب کا ایک حصہ اسلامی خطاطی کے ظہور و عروج کی تاریخ پر مشتمل ہے، یہ ڈاکٹر نہاد کے قلم سے ہے جن کو ثقافت اسلامی کا ماہر مانا جاتا ہے ایک اور حصہ میں ابن مقلہ، ابن البواب اور یاقوت المستعصمی اور عثمانی ترکوں کے مکتب فن سے بحث کی گئی ہے اور اقلام ستہ کی ترویج و اشاعت میں حافظ عثمان، یساری محمد احمد مصطفیٰ عزت جیسے کامل الفن کی کاوشیں بھی زیر بحث آئی ہیں، عربی رسم الخط میں مشہور خطاط حامد آتیک کے شاہکاروں کا بھی ذکر ہے ایک مفصل اشاریے میں خطاطوں اور ان کے نمونوں کا استقصا کیا گیا ہے، اس کتاب کی تالیف و

تدوین میں ماہرین ومحققین کی ایک جماعت کا تعاون شامل رہا۔ IRCICA کے فعال سربراہ ڈاکٹر کمال الدین احسان اوغلو کی نگرانی میں اس نادر اور بیش قیمت کتاب کی تکمیل واشاعت ہوئی۔

گذشتہ سال ترکی نے اپنی جمہوریت کے پچھتر سال پورے کرلئے، اس سلسلے میں منائی جانے والی سرکاری تقریبات میں علامہ ابن رشد پر استنبول میں ایک بین الاقوامی سمپوزیم بھی منعقد ہوا، حسن اتفاق سے یہ ابن رشد کی آٹھ سو سالہ برسی کا سال بھی تھا، ابن رشد کو مغرب میں خاص مقبولیت حاصل ہے اور اعتراف کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے مفکر تھے جنھوں نے مغرب کو روشنی بخشی، اس سمپوزیم کے تیس سے زیادہ شرکا میں مصر، لبنان اور ترکی کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور فرانس کے دانشوروں کی تعداد بھی خاصی تھی، کلیدی خطبہ جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے سید حسین نصر اور اختتامی خطبہ ازمیر یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ڈین پروفیسر محمد ایدن نے پیش کیا، سمپوزیم کے اکثر موضوعات ابن رشد کے فلسفہ وفکر، ان کے ناقدین اور دور حاضر میں ان کی اہمیت ومعنویت وغیرہ پر مشتمل تھے۔

ترکی اور کویت کے بعض علمی اداروں کے تعاون سے ایک اور اہم بین الاقوامی سمینار آذربائیجان میں منعقد ہوا، موضوع تھا "آذربائیجان میں اسلامی تہذیب وثقافت" سوویت روس سے آزادی کے بعد ایشیائے کوچک میں اسلام سے پیمان وفا کی تجدید اور اسلامی تہذیب کے احیائے نو کی مسلسل کوششوں کے پس منظر میں اس سمینار سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا گیا، خوشی کی بات یہ ہے کہ سرکاری سطح پر بھی اس سمینار کو اہمیت دی گئی، خود آذربائیجان کے صدر حیدر علیوف نے عملاً اس میں شرکت کی

اور اپنے کلیدی خطبہ میں نہایت صراحت ووضاحت سے کہا کہ آذربائیجانی عوام کو اپنی تاریخ اور زبان وتہذیب پر اس لیے ناز ہے کہ ان کی وابستگی اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کی بلند پایہ اخلاقی تعلیمات سے ہے، اسلام کے فروغ واشاعت میں انھوں نے آذربائیجان کی مبارک کوششوں کا بھی ذکر کیا، سمینار میں مختلف ممالک کے چالیس سے زیادہ نمائندے شامل ہوئے، مقالات وخطبات میں آذربائیجان کے تعلق سے زیادہ مسائل ومباحث پیش کئے گئے، مثلاً مرکزی ایشیا میں اسلامی تہذیب کا قیام، آذربائیجان کی نشاۃ ثانیہ میں دارالعلوم اور مدارس دینیہ کی علمی حیثیت، زار روس کے عہد میں اسلام کے متعلق روسی رویہ، آذربائیجانی ثقافت کی ترقی میں اسلام کا تاریخی کردار، قرآن کریم اور آذری ادب، قرون وسطی میں قرآن مجید کے ترجمے، اسلام اور فنون موسیقی، قرون وسطی میں آذربائیجانی رسائل کے طرز تحریر کے مسائل، انیسویں صدی میں قافقیشیا کے معاشرے پر اسلام کے اثرات، عثمانی مصادر کی روشنی میں دولت عثمانیہ اور شیخ شامل کے تعلقات، امام منصور عثمانی دستاویزات میں، آذری زبان میں عربی الفاظ آذری شعر وسخن اور آیات قرآنیہ اور اسلامی فن تعمیر وغیرہ ایک مقالہ میں چیچنیا اور داغستان میں سوویت روس کے خاتمہ کے بعد اسلامی اثرات کا جائزہ لیا گیا۔

گذشتہ دنوں جنوبی افریقہ میں دینی مدارس کے معلمین ومدرسین کا ایک اہم بین الاقوامی اجتماع ہوا جس میں مدارس کی بہتری وترقی کے مسائل خاص طور پر موضوع بحث رہے، اس وقت پوری دنیا میں دینی مدارس کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے لیکن تعلیم وتدریس خصوصاً اساتذہ کی ٹریننگ اور تدریسی ضروریات کی فراہمی جیسے امور توجہ طلب ہیں جس کے لیے جد وجہد اور مدارس کے باہمی ربط وتعاون کی سخت ضرورت ہے جنوبی افریقہ کے اس اجتماع سے اس کی راہ ہموار ہوئی اور متعدد ورکشاپ منعقد ہوئے، چندہ اکٹھا کرنے کی مہم بھی بہت کامیاب رہی، اس سے پہلے دبی، ٹورنٹو اور واشنگٹن میں بھی ایسے اجتماع ہو چکے ہیں۔ ع۔ص۔

استفسار و جواب

بت اور بدھا

جناب سید شہاب الدین صاحب سابق ایم۔پی
۲۳۔ فیروز شاہ روڈ۔ نئی دہلی

ایک صاحب نے لفظ بت کو لفظ بدھا سے ماخوذ بتا کر کہا ہے کہ جب عرب حملہ آوروں نے سندھ اور افغانستان میں گوتم بدھ کی مورتیاں دیکھیں اور ان کو توڑیں تو پھر وہ لفظ تمام مورتیوں کے لیے مستعمل ہوگیا ان کے خیال میں ہندوؤں نے بدھوں کی نقل میں بت پرستی اختیار کی۔ کیا گوتم بدھ کے زمانہ کے قبل ہندو دیوی دیوتاؤں کی پرستش نہیں کرتے تھے؛ اول الذکر نکتہ پر آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

معارف: عربی زبان میں لفظ بت کے لیے صنم کا لفظ مستعمل ہے اس لیے لفظ بت کو بدھا سے تبدیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ عربوں کی آمد کے وقت سندھ میں بودھوں کے بکثرت معابد موجود تھے جن کو وہ بودھ وہیار کے نام سے موسوم کرتے ہیں چنانچہ اسی بودھ وہیار کو عرب فاتحین نے البد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، فتوح البلدان بلاذری میں اس کی تفصیل ان الفاظ میں مذکور ہے:

البد فیما ذکروا منارۃ عظیمۃ	بودھ وہیار کے بارہ میں لوگوں کا بیان
یتخذ فی بناء لھم فیہ صنم	یہ ہے کہ ایک عمارت کے اندر ایک بلند
لھم او اصنام یشھر بھا و یکون	مینارہ ہوتا ہے جس کے اندر ایک یا
الصنم داخل المنارۃ ایضا	کئی ایک بت رکھے ہوتے ہیں اور
وکل شیٔ اعظموہ من طریق	اسی نسبت سے عمارت مشہور ہوتی
العبادۃ فھو عندھم بد و	ہے کہیں کہیں منارہ کے اندر ہی بت
الصنم بد ایضا۔	نصب ہوتے ہیں، غرض عبادت کے
(ص ۴۳۷ مطبوعہ لائیڈن)	قبیل کی تمام چیزیں ان کے یہاں
	بودھ کہلاتی ہیں اور اس کی مورتی
	بھی بودھ کی ہوتی ہے۔

یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ سندھ اور اس کے مضافات میں محض گوتم بدھ کی مورتیاں پائی جاتی تھیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس وقت سندھ کے عام باشندے بودھ مذہب ہی کو مانتے تھے اور ان کے بدھ وہار جگہ جگہ قائم تھے۔ مگر ملتان کے مشہور مندر کے بارہ میں بلاذری کی تصریح کے مطابق یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں بودھ کی مورتی نہیں تھی، وہ لکھتا ہے:

وکان بد الملتان بدا تھدی	ملتان کے بودھ وہار پر نذرانے
الیہ الاموال و ینذر لہ	اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں
النذور و یحج الیہ السند	اور اہل سندھ اس کا حج و طواف
فیطوفون بہ و یحلقون	کرتے ہیں اور اس کے پاس اپنے
رؤوسھم و لحاھم عندہ	سر اور داڑھی کے بال مونڈواتے
و یزعمون ان صنما فیہ ھو	ہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس مندر
ایوب النبی علیہ السلام۔	میں جو بت نصب ہے وہ حضرت
(ص ۴۴۲)	ایوبؑ کی مورتی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی تحقیق کے منافی ہے کہ عرب حملہ آوروں نے گوتم بدھ کی مورتیاں دیکھیں اور ان کو توڑیں، فتوح البلدان میں محمد بن قاسم کے ایک معاہدہ کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:

ان لا یقتلھم ولا یعرض	نہ بودھوں کو قتل کریں گے اور نہ
لبدّھم وقال ماالبدّ الا	ان کے بودھ دہار سے کسی قسم کا
ککنائس النصاری والیھود	تعرض کریں گے، بلکہ محمد بن قاسم نے
وبیوت نیران المجوس	یہ کہا کہ تمہارے بودھ دہار یہودو
(ص ۴۳۹)	نصاریٰ کے کنیسے اور آتش پرستوں کے معبد
	کی طرح ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عربوں نے بودھ وہار اور بدھ کی مورتی کے لیے لفظ البد استعمال کیا ہے، عام مورتیوں کے لیے انہوں نے صنم کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ع۔ ع۔

وفیات

شیخ عبدالعزیز بن باز

گزشتہ ماہ علامہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے ۸۸ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ مملکت سعودیہ کے جلیل القدر عالم، مفتی اعظم، علمائے کبار کی سپریم کونسل نیز دار الافتاء اور مجلس بحوث علمیہ کے سربراہ رابطہ عالم اسلامی، المجمع الفقہی الاسلامی اور اس نوع کی متعدد عالمی سطح کی علمی و تحقیقی، دعوتی اور فلاحی انجمنوں اور اداروں کے اساسی رکن تھے۔ دار المصنفین میں شیخ کی وفات کی خبر بڑے رنج و غم سے سنی گئی اور تعزیت کے لئے برقیہ بھی بھیجا گیا۔

شیخ عبدالعزیز بن باز کتاب و سنت کے متبحر عالم، تقویٰ و طہارت، للہیت اور سادگی، اور خلوص و خدمت کا مجسم پیکر تھے، ان کی وفات دنیائے اسلام کا بڑا سانحہ ہے اس سے پیدا ہونے والا خلا پُر نہیں ہو سکتا۔ ولکنہ بنیان قوم تہدما۔

شیخ ابن باز نہایت کم عمری میں آنکھوں کی بصارت سے محروم ہو گئے، مگر اپنی غیر معمولی علمی و فقہی بصیرت کی بنا پر مملکت سعودیہ کے اہم مذہبی مناصب پر فائز ہوئے الجامعۃ الاسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) کے پہلے وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہوا۔ مملکت کے مفتی عالم شیخ محمد ابراہیم کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ مملکت سعودیہ میں ان کو غیر معمولی عزت و احترام حاصل تھا، سربراہان مملکت بھی ان کے ساتھ نہایت عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ان کے جنازہ میں

فرماں روائے مملکت شاہ فہد اعیان مملکت اور شاہی خانوادہ کے علاوہ لاکھوں افراد
نے شرکت کی۔

غربا پروری اور مہمان نوازی ان کی گھٹی میں تھی، ان کی قیام گاہ پر ہمیشہ مہمانوں
اور ضرورت مندوں کا جمگھٹ لگا رہتا اور وہ نہایت بشاشت کے ساتھ ان کی میزبانی
کرتے اور حاجت روائی کرتے تھے، راقم الحروف کو صرف ایک مرتبہ ان سے مسجد نبوی میں
ملاقات کا شرف حاصل ہوا، وضع قطع اور لباس کی سادگی سے قرن اول کے مسلمانوں کا
نمونہ معلوم ہوتے تھے۔

شیخ ابن باز مدۃ العمر مملکت سعودیہ کے حدود سے باہر نہیں نکلے۔ مگر پورے عالم
اسلام کے حوادث و مسائل سے باخبر رہتے تھے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے عقائد و اعمال
کی اصلاح کے لئے ہمیشہ فکرمند اور کوشاں رہتے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ میں کوئی فاسد عقیدہ
رونما ہوتا یا کوئی فتنہ سر اٹھاتا تو وہ اس کی بیخ کنی کے لئے کمربستہ ہوجاتے اور اتمام حجت کی
ہر ممکن کوشش کرتے، چنانچہ ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت کے المیہ اور مسلمانوں
سے تعلق رکھنے والے دوسرے معاملات پر آواز بلند کرتے اور حکومت اور عام لوگوں کے جارحانہ رویے پر
اپنے رنج والم کا اظہار فرماتے، ان کی اسلامی خدمات کے اعتراف میں عالم اسلام کا عظیم
ایوارڈ "جائزۃ الملک فیصل" ان کو پیش کیا گیا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں نے ان کے جنازہ میں مشایعت
کی، مسجد حرام میں نماز جنازہ ادا ہوئی اور قبرستان العدل میں تدفین ہوئی، علامہ ابن تیمیہ
کا جنازہ بھی اسی شان سے اٹھا تھا اور اس وقت کے ابن تیمیہ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔
اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور مملکت سعودیہ کو ان کا

بدل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا شاہ عبدالحلیم جون پوری

گذشتہ دنوں ضلع جون پور اور اس کے نواح کے مشہور شیخ طریقت اور ممتاز عالم
ربانی مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جونپوری رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
مولانائے مرحوم ۱۹۰۷ء میں ضلع فیض آباد کے ایک گاؤں دیوریا میں پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم مدرسہ حسین العلوم ٹانڈہ میں ہوئی۔ مظاہر العلوم سہارنپور سے سند فراغت
حاصل کی۔ ابتداءً مظاہر العلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے مگر طبیعت کی خرابی کی بنا پر
جلد ہی اپنے وطن واپس آگئے، یہاں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مکتب قائم کیا
پھر ترک سکونت کرکے ضلع جونپور کے قدیم مردم خیز قصبہ مانی کلاں میں مستقل بود و باش اختیار کی۔
اور یہیں کے قدیم مدرسہ میں درس و تدریس پر مامور ہوگئے، ۱۹۷۳ء میں مانی کلاں کو خیرباد
کہہ کر اس کے قریب ہی لب سڑک واقع موضع گوریني میں ایک مدرسہ ریاض العلوم کی بنیاد
رکھی، جس نے مولانائے مرحوم کی سرپرستی و نگرانی میں بڑی ترقی کی۔

مولانا کی طبیعت کا رجحان ہمیشہ رشد و اصلاح کی طرف رہا، اس نواح میں ان کی
ذات سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچا، وہ شاہ وصی اللہ فتح پوری اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
کے مسترشد اور خلیفہ تھے، جونپور اور اعظم گڑھ کے علاوہ بمبئی اور گجرات وغیرہ میں بھی ان کے
مریدین کا بڑا حلقہ تھا، ان کی سرپرستی میں مدرسہ کے احاطہ میں کئی تبلیغی اجتماعات بھی منعقد ہوئے۔

مولانا عبدالحلیم بڑے متواضع، ملنسار اور مقدس بزرگ تھے، ایک مدت سے مختلف
عوارض کا شکار تھے، راقم الحروف کو عرصہ سے ان سے نیاز مندی کا شرف حاصل تھا۔ متعدد
بار ان کی مزاج پرسی اور عیادت کے لئے حاضر ہوا، مگر کبھی ان کی زبان سے کسی طرح کا شکوہ

شکایت نہیں سننے میں آئی۔ ہر حال میں صابر و شاکر اور ہمیشہ ذکر الٰہی میں سرشار پایا۔
مولانا کی طبیعت میں شگفتگی تھی۔ ان کا وعظ بڑا موثر ہوتا جو مختصر ہونے کے باوجود پُرمغز
اور جامع ہوتا۔

دوسروں کی مدد بھی کرتے، ان کی زندگی تصنع و تکلف سے بری تھی۔ مدرسہ ریاض العلوم
کو اپنے خون جگر سے سینچا تھا، اس کی تعمیر و ترقی کے لئے عمر بھر جد و جہد کرتے رہے، ان کا
تعلق دوسرے مدارس سے بھی تھا، دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور دار العلوم
ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ رشد و اصلاح اور دعوت و تذکیر ان کا خاص
میدان تھا۔ جس میں ان کی وفات سے بڑا خلا پیدا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

ع۔ ع۔

پروفیسر محب الحسن مرحوم

گذشتہ مہینے ملک کے ممتاز مورخ اور مشہور معلم جناب پروفیسر محب الحسن کا
انتقال ۹۰ برس کی عمر میں ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

مرحوم نے تاریخ ٹیپو سلطان کے مصنف کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی، وہ
اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتے تھے، ان کی کتاب "کشمیر سلاطین کے عہد میں" بھی کشمیر کی
تاریخ میں بڑی وقیع خیال کی جاتی ہے۔ انہوں نے اگرچہ کم لکھا تاہم اپنی بلند پایہ کتابوں
اور اہم تحریروں کی وجہ سے وہ نامور اور اچھے مصنفوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پروفیسر محب الحسن نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لندن یونیورسٹی سے تاریخ
میں بی اے آنرز کیا، وہاں سے واپسی کے بعد ان کی طویل تدریسی زندگی کا آغاز کلکتہ
یونیورسٹی سے ہوا جہاں انہوں نے ۴۲ء سے ۵۶ء تک اسلامی تاریخ و تہذیب
کا درس دیا، ۵۶ء سے ۶۳ء تک وہ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے ریڈر رہے۔

پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پروفیسر اور شعبۂ تاریخ کے صدر کی حیثیت سے ۷۰ء تک سرگرم
عمل رہے اور آخر میں وہ کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر مقرر ہوئے اور ۷۵ء تک
وہاں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

ان کے وسیع علمی و تعلیمی تجربات سے مختلف اداروں اور تنظیموں کو بڑا فائدہ پہنچا، بنگال
کی ریجنل ریکارڈ سروے کمیٹی کے وہ اہم رکن تھے۔ آثار قدیمہ کی ایک اہم کمیٹی سے بھی ان کا
تعلق رہا۔ حکومت ہند نے ایک وفد امریکہ اور برطانیہ میں تعلیم عامہ کے جائزہ کے لئے
روانہ کیا تھا، اس کے آٹھ رکنی وفد میں وہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے انڈین ہسٹری کانگریس
اور پنجاب ہسٹری کانگریس کے شعبہ قرون وسطیٰ کی صدارت بھی کی۔ کلکتہ کی ایران سوسائٹی
کے وہ اساسی رکن تھے، اس کے نائب صدر اور سوسائٹی کے مشہور مجلہ انڈو ایرانیکا کی مجلس
ادارت میں بھی برسوں شامل رہے۔ ایران سوسائٹی کے بانی ڈاکٹر محمد اسحاق سے ان کو
خاص تعلق تھا، جو ان کی وفات کے بعد ایران سوسائٹی کی طرف منتقل ہوکر برابر قائم
و استوار رہا۔ ان کی کتابوں میں ہسٹری آف ٹیپو سلطان، کشمیر انڈر دی سلطانس، بابر
فاؤنڈر آف دی مغل ایمپائر ان انڈیا اور کشمیر ان ٹرموائل اور متعدد اہم مقالے ہیں
جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور انڈو ایرانیکا میں شایع ہوتے رہے، ان کی ایک تصنیف
ہندوستانی دور وسطیٰ کے مورخین بھی ہے جو اصلاً انگریزی میں تھی اس کا ترجمہ ترقی اردو بیورو
نئی دہلی نے شایع کیا۔ ان کی دو اور اہم کتابوں کے ترجمے تاریخ سلطان ٹیپو اور کشمیر سلاطین
کے عہد میں، کے نام سے ہوئے۔ ہسٹری آف ٹیپو سلطان ۵۱ء میں کلکتہ سے شایع ہوئی
تھی، اس کا ترجمہ حامد اللہ افسر اور عتیق صدیقی نے کیا اور ترقی اردو بیورو کی جانب سے
یہ ۱۹۷۲ء میں شایع ہوا، ٹیپو سلطان کی یہ پہلی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو مصنف کی

محنت اور جانفشانی کا نتیجہ ہے یہ اصل مصادر کی روشنی میں لکھی گئی ہے' اس میں یورپی مورخوں کی غلط بیانیوں اور سلطان کے متعلق بعض بے سروپا الزامات کی مدلل تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ متعصب' مغلوب الغضب اور مذہباً شدت پسند کے بجائے ایک فراخ دل اور روشن خیال حکمراں تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو اعلیٰ منصب عطا کیے، پوجا پاٹ کی مکمل آزادی دی' مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دیں' حتیٰ کہ بت تراشنے کے لیے بھی رقمیں دیں اور ایک موقع پر مندر تعمیر کرنے کا حکم بھی دیا، اس کتاب پر علامہ شبلی کی کتاب عالمگیر کے اثرات صاف نظر آتے ہیں۔ تاریخ نگاری میں ان کا زاویہ نظر دارالمصنفین کے مکتب فکر سے قریب تھا جس کا اعتراف جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نے اس کے دیباچے میں کیا ہے اسی لئے کشمیر انڈ روسی سلطانس کا اردو ترجمہ دارالمصنفین نے ان کی اجازت سے ۱۹۶۷ء میں شایع کیا۔ انگریزی کتاب ایران سوسائٹی نے ۱۹۵۹ء میں شایع کی تھی۔ اردو ترجمہ میجر علی حماد عباسی مرحوم نے کیا تھا۔ دارالمصنفین کے مکتب فکر سے متاثر ہونے کے باوجود محب الحسن صاحب نے اپنی تصنیف "ہندوستانی دور وسطیٰ کے مورخین" کے مقدمہ میں ہندوستانی تاریخ نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے علامہ شبلی کے بارے میں تحریر فرمایا کہ وہ ایک جانب دار مورخ بن جاتے ہیں اور تاریخ نگاری کے سائنٹفک انداز اور معروضی اصولوں پر کاربند نہیں رہتے، لیکن ان کی اس رائے کی تردید خود ان کی کتابوں سے ہو جاتی ہے۔ ان کی وفات سے ملک ایک اچھے مورخ سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور بہشت بریں میں جگہ دے۔ آمین!!

ع۔ص۔

مطبوعات جدیدہ

اردو پر عربی کے لسانی اثرات

از محترمہ ڈاکٹر رضوانہ معین، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت عمدہ' صفحات ۲۳۰، قیمت ۱۵۰ روپے' پتہ: حسامی بک ڈپو مچھلی کمان' حیدرآباد' اے۔ پی۔

اردو زبان پر اور زبانوں کی طرح عربی زبان کا اثر بھی گہرا ہے، لیکن ابھی تک اس کا جائزہ لینے کی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی تھی۔ زیر نظر کتاب اسی کمی کی تلافی اور اردو پر عربی کے لسانی اثرات کا معروضی اور ہمہ جہتی جائزہ لینے کے لئے لکھی گئی ہے، اس کا اصل موضوع لسانیات ہے، اس لئے لایق مصنفہ نے صرف و نحو' بلاغت و عروض اور صوتی و خطی مباحث سے زیادہ سروکار رکھا تاہم پہلی فصل میں بطور پس منظر جامعیت کے ساتھ عرب و ہند کے تعلقات بھی زیر بحث آئے ہیں اور عہد اسلامی کے ہندوستان میں دینی و معاشرتی معاملات میں عربی کی اہمیت اور اردو زبان کے اسباب آغاز و ارتقا کا بڑا مفید جائزہ لیا ہے' دیگر ابواب بھی پر از معلومات ہیں لیکن علم صرف کے بیان میں غیر ضروری اطناب و تطویل ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ علم صرف کی کسی نصابی کتاب کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے اس کو مختصر اور موضوع کے شایان شان ہونا چاہیے تھا، مراجع کی فہرست سے مصنفہ کی وسعت مطالعہ' محنت اور تلاش و جستجو کا اندازہ ہوتا ہے' ان کی یہ رائے قابل غور ہے کہ عربی کو اردو کے نصاب تعلیم میں جگہ ملنی چاہیے' ایک جگہ عربی حروف پر نقطہ لگانے کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی کی ایک رائے کو خواہ مخواہ عجیب و غریب توجیہ قرار دیا گیا ہے' جب کہ خود ان کی بعد کی وضاحت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے' یہ کہنا بھی محل نظر ہے کہ

بغیر نقطوں والے قرآن مجید کی بہت سی آیات کی قرأت میں اختلاف تھا؛ اختلاف دراصل لہجوں کے متعلق تھا؛ حوالے سلیقے سے دیے گئے ہیں، لیکن ایک جگہ صرف معارف جون ص ۱۱، ۴۴ مذکور ہے، مضمون اور مضمون نگار کا نام نہیں دیا گیا؛ شاہ معین الدین کو سید معین الدین لکھا ہے؛ ہندوستان سے عربی زبان میں نکلنے والے رسائل میں دارالعلوم دیوبند کے الداعی کا ذکر رہ گیا ہے۔

نقوش نور از جناب ذکی نورعظیم ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۵۲، قیمت ۱۰۰ روپے، مکتبہ: مکتبہ نور، مکارم نگر، ٹیگور مارگ، لکھنؤ ۲۰۔

مولانا عبدالنور (نورعظیم) ندوی، ندوۃ العلماء کے جواں سال اور لائق فرزندوں میں تھے، جن سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، لیکن مشیت الٰہی سے ان کی حیات مستعار شعلۂ مستعجل ثابت ہوئی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں "دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں نہیں بلکہ علمی، ادبی، فکری اور تحریری مجالس میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے"۔ زیر نظر کتاب ان کے سعادت مند صاحبزادے نے ان کی یاد میں شایع کی ہے، اس میں ان کی چند تحریروں اور اساتذہ و اکابر رفقا و احباب اور تلامذہ واعزہ کے تاثرات سلیقے سے جمع کر دیے ہیں، اخبارات و رسائل کی تعزیتی تحریریں بھی اس میں شامل ہیں، اس طرح یہ نورانی نقوش اور تابندہ و پایندہ ہوگئے ہیں۔

تذکرہ استاذ العلماء حضرت مولانا امانت اللہ مرحوم از جناب مولانا محمد ارشد اعظمی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۱۹۲، قیمت ۵۰ روپے، پتہ: الجمعیۃ الاسلامیہ پورہ معروف، پوسٹ کرتھی جعفر پور، ضلع متو، یوپی ۲۷۵۳۰۵۔

ضلع متو کا قصبہ پورہ معروف علماء و مدرسین سے معمور ہے، مولانا امانت اللہ مرحوم بھی اسی مردم خیز سرزمین کے فرزند تھے جن میں علمی پختگی، مسائل کے استحضار اور تدریسی صلاحیت کے علاوہ اخلاص و للہیت زہد و قناعت اور اصابت رائے بھی بدرجۂ اتم تھی، یہ کتاب ان کے سوانح کا دلکش مرقع ہے، متعدد اہل قلم اور اکابر کی تحریروں کے علاوہ منظوم خراج عقیدت کی ہے، ظاہری لحاظ سے بھی یہ کتاب بڑی جاذب نظر ہے، کتابت، طباعت کا حسن اہتمام حرف حرف سے نمایاں ہے۔

ع۔ ص